فرض منصبی کی ادائیگی ہمیشہ انسان سے قربانیوں کی طالب رہتی ہے لیکن کبھی کبھی ایسے مرحلے بھی آتے ہیں جب جذبۂ ایثار کو نہایت کٹھن امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ فرض شناس افسر بھی ایک ایسے ہی خطرناک دوراہے پر آ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کی ایک جانب اپنی منصبی ذمے داریاں تھیں تو دوسری جانب عزیز از جان بیوی اور بیٹا۔ بالآخر اُس نے ایک راستہ منتخب کرلیا لیکن وہ اتنا طویل ثابت ہوگا یہ اُسے اندازہ نہ تھا اور اس پر سفر کرتے ہوئے آبلہ پائی ہی اُس کا مقدر بنے گی، یہ اُس نے سوچا بھی نہ تھا۔

قانون کے اُس محافظ کی داستان جو اپنی اولاد کی نظر میں مجرم تھا

اگر ... پچیس کے عدد کے دو اور پانچ کو جمع کیا جائے تو عدد سات ہوتا ہے۔ ہماری دنیا میں سات کے عدد کو متفقہ طور پر خوش بختی کا ہندسہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر کسی کارکردگی کی مسلسل کامیابی کے پچیس ہفتے یا پچیس مہینے یا پچیس برس گزر جائیں تو سلور جوبلی یعنی چاندی جیسی چمکتی ہوئی مسرت کا دن منایا جاتا ہے۔

انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ کے چیف افسر فرمان علی کی کوٹھی کے بڑے ہال کو بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ ایک دیوار پر ۲۵ کے بہت بڑے ہندسے کا کٹ آؤٹ چاندی کے تاروں سے جگمگا رہا تھا۔ اس جگمگاتے ہوئے ۲۵ کے اوپر... لکھا ہوا تھا۔ "فرمان علی اور بیگم اسما فرمان کو کامیاب ازدواجی زندگی کے ۲۵ برس مبارک۔ تم شاد رہو اور سدا آباد رہو۔"

اس ہندسے کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ "شادی خانہ آبادی کی بہترین مثال جو پچیس برس سے قائم ہے۔"

بڑی بڑی امیر و کبیر شخصیات کا ہجوم تھا۔ بڑی بڑی بیگمات اور حسین دوشیزائیں اپنی مترنم گفتگو اور چاندی جیسی کھنکتی ہوئی ہنسی سے ماحول کو رومانٹک بنا رہی تھیں پھر سب نے زینے کی بلندی پر دیکھا۔ فرمان علی اپنی بیگم اسما کے ساتھ زینے سے اُترتا آرہا تھا۔ تمام مہمان انہیں دیکھ کر تالیاں بجانے لگے۔ وہ دونوں زینے سے اُتر کر مہمانوں سے مصافحہ کرنے اور مبارک باد وصول کرنے لگے۔

کوئی ہاتھ ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا "ہیپی لانگ میرج سرینٹی..."

کوئی کہہ رہا تھا "ہماری دعا ہے کہ آپ دونوں مسرتوں بھری ازدواجی زندگی کی صرف سلور جوبلی نہیں بلکہ گولڈن جوبلی بھی منائیں۔"

ایک شخص نے کہا "صرف گولڈن جوبلی ہی نہیں آپ پلاٹینم جوبلی بھی منائیں۔"

ایک خاتون نے اپنے شوہر کی پسلی پر اپنی کہنی کا ٹہوکا دے کر کہا "ذرا دیکھو اور شرم کرو۔ کیا تم خود کو فرحان صاحب جیسا شوہر ثابت نہیں کرسکتے۔"

شوہر نے دبی سرگوشی میں کہا "خدا کے لیے یہاں تو خاموش رہو۔ جب تم بولتی ہو تو تمہارے سامنے پاپ میوزک کا بے ہنگم شور سنائی نہیں دیتا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں ہی بولتی ہوں۔ میں ہی جھگڑتی ہوں۔ تم تو بڑی بڑی تقریبات میں جھگڑا شروع کردیتے ہو۔"

وہ ذرا قریب آکر اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا "مجھے معاف کردو۔ ابھی میں نے ہی جھگڑا شروع کیا ہے۔ اب نہیں کروں گا۔ تم جو کہو گی مان لوں گا۔ پلیز چپ ہوجاؤ۔ اس تقریب کا تماشا بنے کر مسکراؤ۔"

وہ ادنہ کہہ کر پلٹ گئی اور دوسری خواتین کی طرف جانے لگی۔ ایک بڑی سی میز پر شادی کی سالگرہ کا بڑا سا کیک رکھا ہوا تھا۔ ایک خوش لباس ملازمہ کیک کے اطراف پچیس عدد موم بتیاں لگا رہی تھی۔ ایک جانب کھڑا ہوا مرد اپنی بیوی کو گھور کر کہہ رہا تھا "یہ مجھ جیسا جو ملنے والا شوہر ہے جو تمہارے ساتھ بائیس برس سے زندگی گزار رہا ہے۔ اگر بچے جوان نہ ہوتے تو تمہیں اسی سلور جوبلی کی تقریب میں طلاق دے دیتا۔"

وہ عاجزی سے بولی "آپ گھر میں گالیاں بھی دیتے ہیں۔ مجھے مارتے بھی ہیں۔ آج اس سلور جوبلی میں تو غصہ نہ کریں۔ تین برس بعد میں بھی لات اور گالیاں کھانے کی سلور جوبلی مناؤں گی۔"

"دیکھو، تم طعنے دے رہی ہو۔ کیا یہاں اپنی بے عزتی کراؤگی؟"

"یہاں تو آپ مجھ پر ایک انگلی نہیں اٹھاسکتے۔ یہ شرفا کی محفل ہے۔ یہاں آپ جیسے شوہر خود کو مہذب ثابت کرنے کے لیے مسکرا کر بیوی سے گفتگو کرتے ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دو حضرات اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ وہاں آئے۔ ان کے قریب آتے ہی غصہ دکھانے والا شوہر بڑا مسکرانے لگا۔ آنے والوں میں سے ایک نے کہا "واقعی فرحان صاحب اور اسما بھابی کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی کامیابی میں خاندانی منصوبہ بندی کا بھی دخل ہے۔ بچے دو ہی اچھے......"

دوسرے نے کہا "مگر دو کہاں ہیں۔ ان کا تو ایک ہی بیٹا ہے۔"

ان سب نے ایک دیوار کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک نوجوان لڑکے کی بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ ایک خاتون نے کہا "کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ہم میں سے کسی نے فرحان بھائی کے اس بیٹے کو ابھی نہیں دیکھا۔"

"کیسے دیکھیں گے؟ وہ تو لندن میں تعلیم حاصل کررہا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن والدین کی پچیسویں سالگرہ بہت اہم ہے۔ آج تو اسے آنا ہی چاہیے۔"

"فرحان بھائی اور بھابی نے اسے ضرور بلایا ہوگا۔ شاید اسی کا انتظار ہے اس لیے کیک کاٹنے میں دیر ہورہی ہے۔"

اسی وقت فرحان علی کی اونچی اور گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "لیڈیز اینڈ جنٹلمین! ہم نے اپنے بیٹے کے انتظار میں آپ لوگوں کو انتظار کی زحمت دی۔ بہتر ہے کہ اب وقت ضائع نہ کیا جائے۔"

ملازمہ موم بتیاں جلانے لگی۔ ایک شخص نے کہا "میرے ذہن میں سوال پیدا ہورہا ہے کہ یہ کیک کیسے کاٹا جائے؟"

فرحان نے کہا "یہ بھی کوئی مسئلہ ہے؟ جیسے عام طور پر چھری سے کاٹا جاتا ہے اسی طرح میں اور اسما ایک ساتھ ایک چھری کو پکڑیں گے پھر اس کیک کو ایک ساتھ کاٹیں گے۔"

اس شخص نے کہا "یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا تم نے شادی سے پہلے اسما بھابی کو دیکھا تھا؟"

فرحان نے کہا "نہیں۔ پچیس برس پہلے ہم اتنے آزاد خیال نہیں تھے۔"

"اور بھابی آپ نے شادی سے پہلے چھپ کر اپنے میاں کو دیکھا تھا؟"

اسما بیگم نے کہا "بالکل نہیں لیکن آپ پولیس والوں کی طرح انکوائری کیوں کررہے ہیں؟"

"اس لیے کہ آج سلور جوبلی کا کیک بھی آپ اس طرح کاٹیں کہ کاٹتے وقت ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں۔ یوں سمجھیں کہ پچیس برس کے بعد پھر سے نئی شادی ہورہی ہے۔"

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ فرحان اور اسما نے ایک دوسرے کو چور نظروں سے ایسے دیکھا جیسے اس بات نے ان کی دکھتی رگ چھیڑی کسی پریشانی کو تازہ کیا ہو۔ دوسرے شخص نے کہا "فرحان صاحب! آپ ایسا کریں کہ کیک کاٹتے وقت بھابی کی طرف نہ دیکھیں اور بھابی آپ اپنے میاں کو نہیں دیکھیں گی۔"

ایک خاتون نے کہا "ایک دوسرے سے نظریں چرا کر کیک کاٹنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میاں بیوی راضی نہیں ہیں۔"

ایک شخص نے فرحان کی آنکھوں پر پٹی باندھتے ہوئے کہا "یہ سلور جوبلی کی آنکھ مچولی ہے۔"

ایک خاتون نے اسما کے دوپٹے کو گھونگھٹ کی طرح پورے چہرے پر ڈال دیا۔ اب وہ بھی اپنے میاں کو تو کیا کیک کو بھی نہیں دیکھ سکتی تھی پھر دونوں کے ہاتھوں میں چھری کا دستہ پکڑا دیا گیا۔ وہ دونوں ذرا جھک کر پھونکیں مار کر موم بتیاں بجھانے لگے۔ کچھ بجھ رہی تھیں کچھ بجھ نہیں پا رہی تھیں۔ تمام مہمان قہقہے لگا رہے گئی ہے۔

ان کی رہنمائی کے مطابق انہوں نے باقی موم بتیاں بجھادیں۔ صرف ایک موم بتی کو جلتے رہنے دیا پھر وہ چھری ان میاں بیوی کی گرفت میں آگے بڑھی پھر کیک کے اوپر تک پہنچی۔ ایک شخص نے کہا "بس۔ اب یہاں سے کیک کاٹو۔"

انہوں نے کاٹنے کے لیے چھری کو ذرا جھکایا۔ اسی لمحے میں ایک جوان کی کھلی ہوئی ہتھیلی کیک اور چھری کے درمیان آگئی۔ کیک کاٹنے کا دستور یہ ہے کہ اسے تکون یعنی ۸ کے ہندسے کی شکل میں کاٹا جاتا ہے۔

چھری کی نوک اس جوان کی ہتھیلی کی کھال اور گوشت کو اسی طرح چیرتی گئی۔ تمام مہمانوں نے شدید حیرانی سے دیکھا۔ حیرت کی شدت سے پہلے تو وہ کچھ بول نہ سکے پھر کئی خواتین کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔ چیخوں کی آواز پر فرحان اور اسما نے اپنی آنکھوں سے پٹی اور گھونگھٹ کو ہٹا کر دیکھا۔ ان کے بیٹے کامران نے اپنی ہتھیلی الٹ دی تھی۔ اس میں سے لہو کیک پر ٹپکنے لگا۔ اسما نے چیخ مار کر بیٹے کی کلائی پکڑی۔ بیٹے نے ایک جھٹکے سے کلائی چھڑالی۔ پھر تمام مہمانوں کو سیدھی کلائی دکھاتے ہوئے کہا "دیکھیں، آپ سب دیکھیں مگر یہ نہ سمجھیں کہ ایک بیٹے نے والدین کی شادی کی سلور جوبلی اس (V) سے منائی ہے۔ وی (V) کے معنی ہیں وکٹری، نصرت، فتح، جیت۔ آج میاں بیوی نے ازدواجی زندگی کے پچیس برس جیت لیے ہیں اور بیٹے نے اس جیت کو اپنے لہو سے لکھوایا ہے۔"

فرحان اور اسما کچھ گھبرائے ہوئے سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ بیٹا کہہ رہا تھا "میں نے سنا ہے کہ میرے بزرگ والدین نے یہ خبر پھیلائی ہے کہ میں لندن میں تعلیم حاصل کررہا ہوں......"

پھر اس نے ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا "کیا میں لندن میں تھا؟"

وہ بھیگی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولی "کامران میرے بیٹے! چپ رہو۔"

"میں چپ رہوں گا۔ یہ ہتھیلی بولے گی کہ میں لندن سے نہیں، سینٹرل جیل سے آرہا ہوں۔"

"جیل؟" مہمانوں کے منہ سے حیرت بھری آوازیں نکلنے لگیں، وہ بولا "ہاں چیف آف انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ فرحان علی کا بیٹا کامران لندن کی نہیں، جیل کی یونیورسٹی سے پاس ہوکر آرہا ہے۔"

اسما نے ڈانٹ کر کہا "میں کہتی ہوں بکواس مت کرو۔"

فرحان علی نے اسما کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "اسے بولنے دو۔"

بیٹے نے کہا "ہاں مجھے آج بولنا چاہیے۔ آج سے پہلے مجھے کچھ کہتے ہوئے شرم آتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کو ماں باپ کہتے ہوئے آج بھی شرم آرہی ہے لیکن نہیں۔۔۔ آپ نے باپ ہوکر مجھے ہتھکڑی پہنائی تھی۔ میں بیٹا ہوکر آج آپ کو ہتھکڑی پہناؤں گا۔"

وہ جیب سے ایک ہتھکڑی نکال کر اسے بلند کرتے ہوئے بولا "اگرچہ میں ہتھکڑی پہنانے کی قانونی حیثیت نہیں رکھتا ہوں لیکن یہاں کے تمام معزز مہمان آپ دونوں کو یہ زیور پہنائیں گے کیونکہ میں قانون کا مجرم تھا تو آپ دونوں اخلاقی مجرم ہیں۔ شریعت محمدی کے خلاف گناہگاروں کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر آپ میں جرأت ہے تو بتائیں کہ یہ شادی کی سلور جوبلی نہیں، آپ دونوں کی طلاق کی سالگرہ ہے۔"

دعائیں، دعائیں جیسے تمام مہمانوں کے دماغوں میں دھماکے ہونے لگے۔ کتنی ہی خواتین اور مرد بے یقینی سے کہنے لگے۔ "طلاق؟ طلاق؟ نہیں۔۔۔ نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

ایک بزرگ نے کامران سے کہا "بیٹے! کیا تم یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ نئی نسل اپنے والدین پر کیچڑ اچھالتی ہے؟"

وہ ہتھکڑی اٹھائے میز کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "آپ اس ہتھیلی پر وی کا نشان دیکھ رہے ہیں۔ اب اسی نشان کو پھر دیکھیں۔ میں نے ہتھیلی الٹ دی ہے۔ جو پہلے V نظر آتا ہے۔ اب ۸ کا عدد نظر آرہا ہے۔ جب میں آٹھ برس کا تھا تب میں نے کانوں سے سنا تھا اور آنکھوں سے ان صاحب کو دیکھا تھا۔ یہ اپنی بیگم کو تین طلاقیں دے رہے تھے۔ ایک آٹھ برس کے بچے کی گواہی شاید قابل قبول نہ ہو لیکن میری زبان سے ماں کا دودھ جھوٹ نہیں بولے گا اور باپ کا لہو اگر کم ظرف نہ ہوا تو یہ ہتھکڑی خود اٹھا کر پہن لے گا۔"

اس نے فرحان کے سامنے میز پر ہتھکڑی پھینک دی۔ پورے ہال میں سناٹا چھا گیا۔ تمام مہمان فرحان اور اسما کو دیکھ رہے تھے

بیٹے نے کہا۔

"کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سب کے سامنے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میں چاہتا ہوں یہاں کی تمام لائٹیں بجھا دی جائیں تاکہ طلاق کے بعد ازدواجی زندگی گزارنے والے یہ گناہ گار مستور جھلی کے اندھیرے میں اپنی صفائی پیش کر سکیں۔"

تمام لائٹیں ایک ایک کر کے بجھنے لگیں۔ فرمان علی اور اس کی بیگم کے چہروں پر ایک ایک لائٹ کے بجھنے سے یوں اندھیرا چھانے لگا جیسے دونوں کے منہ پر کالک بھر رہی ہو۔

پھر وہ بدنامی کی تاریکی میں ڈوب گئے۔

○☆○

ایک میز ٹیبل کی سطح شیشے کی تھی۔ اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھا ہوا شخص ایک پلاسٹک کی تھیلی سے سفید پاؤڈر ایک ایک چٹکی سے نکال کر شیشے کی سطح پر الگ الگ رکھتا جا رہا تھا۔ اس کے سامنے ذرا فاصلے پر ایک بڑی سی دفتری میز تھی۔ میز کے دوسری طرف ایک ریوالونگ چیئر پر کوئی سوٹ پہنے بیٹھا تھا۔ صورت نظر نہیں آرہی تھی کیونکہ ریوالونگ چیئر کا رخ دوسری طرف تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی طرف سائیڈ میز پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا اور دائیں طرف فرمان علی اپنی کمر سے بیلٹ کی پیٹی اور ہولسٹر میں ریوالور رکھے ایک باڈی گارڈ کی طرح الرٹ کھڑا ہوا تھا۔

شیشے کی میز پر ایک چٹکی پاؤڈر رکھنے والے نے اپنی ناک کے ایک نتھنے سے چھوٹی سی نلکی لگائی۔ وہ اس نلکی کے ذریعے سانس کھینچ کر نشیلے پاؤڈر کو اپنے وجود کے اندر پہنچانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی ریوالونگ چیئر پر بیٹھے ہوئے شخص نے ٹیبل فین کا بٹن دبا دیا۔

وہ پنکھا پوری رفتار سے گردش کرنے لگا۔ تیز آندھی کی طرح ہوا کے جھونکے ان چٹکی چٹکی پاؤڈر کو اڑا کر فضا میں بکھیرنے لگے۔ اس نشہ کرنے والے نے ادھر سے اُدھر فضا میں منہ اٹھا کر نلکی کے ذریعے پاؤڈر کو اپنی طرف کھینچنا چاہا لیکن اس کی سانسیں پنکھے کی رفتار سے تیز نہیں تھیں۔ پنکھے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ پلاسٹک میں رکھا ہوا پاؤڈر بھی فضا میں اڑنے لگا تھا۔ اس نے پلاسٹک کی تھیلی کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ کر کہا "باس! یہ کیا؟ آپ نشہ دے کر چھین رہے ہیں؟"

ریوالونگ چیئر نے حرکت کی۔ باس کرسی پر گھومتا ہوا اس کی طرف رخ کر کے بولا "مجھے چھیننے میں مزہ آتا ہے۔ جب کسی کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو میں اسے کچھ دے کر چھین لیتا ہوں۔ کیوں فرمان سچ کہتا ہوں نا؟"

فرمان نے اسی طرح مستعد کھڑے رہ کر کہا "یس باس! آپ سچ سے بھی زیادہ سچ کہتے ہیں۔"

باس نے میز پر ہاتھ مار کر کہا "کمال کے باڈی گارڈ ہو۔ ہماری بات سے آگے جا کر بولتے ہو۔"

"تمہاری گولی بھی آپ کے ریوالور کی گولی سے آگے جاتی ہے۔"

باس پھر میز پر ہاتھ مار کر کہتا ہے "میری اسی ادا نے تمہیں باڈی گارڈ رکھا ہے۔"

نشہ کرنے والے نے کہا "باس! وہ باڈی گارڈ ہے اور آپ مجھے آنکھوں کا تارا کہتے ہیں۔ پلیز انعام دے کر نہ چھینیں۔"

"پہلے کام پھر انعام۔"

"میں حاضر ہوں۔ حکم دیجیے۔"

"بندر کی طرح غصے میں خوخیانے کی آواز نکالو۔"

تارا اچھل کر صوفے پر آلتی پالتی مار کر بندر کی سی حرکتیں کرنے اور غصے میں خوخیانے کی آوازیں نکالنے لگا۔ باس نے مسکراتے ہوئے کہا "مصطفیٰ قریشی مکالمے کس طرح بولتا ہے۔"

تارا صوفے سے اٹھ کر مصطفیٰ قریشی کے انداز، آواز اور لہجے میں مکالمے ادا کرنے لگا۔ باس نے خوش ہو کر کہا "تم واقعی باکمال فنکار ہو۔ ہر شخص کی آواز کی نقالی کر لیتے ہو۔"

"باس! میں آپ کی بھی نقل کر سکتا ہوں لیکن آپ کی آواز میں بولنا شروع کروں گا تو آپ کے بچے مجھے اپنا باپ سمجھ لیں گے اور آپ کی بیوی مجھے اپنا ہی سمجھے گی۔"

وہ ڈانٹ کر بولا "شٹ اپ۔ کام کی بات کرو۔ کیا ڈی آئی جی حشمت کی نقل کر سکتے ہو؟"

"میں نے اس کی آواز نہیں سنی ہے۔"

باس نے ایک ٹیپ ریکارڈر آن کر کے کہا "سو سنو۔"

اس ریکارڈر سے ڈی آئی جی حشمت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے کسی ماتحت سے کسی کیس کے سلسلے میں گفتگو کر رہا تھا۔ باس نے ریکارڈر بند کر کے کہا "تم میرے مخالف مراد خان کو جانتے ہو؟"

"جی ہاں۔ اسمگلنگ کے دھندے سے بڑی مرادیں پاتا ہے۔"

"تم مراد خان کو فون کرو۔ ڈی آئی جی حشمت کی آواز میں بولو کہ بیدار بخت کا مال آج آدھی رات کو بلیک پورٹ پر آرہا ہے۔ مراد خان چاہے تو بیدار بخت کے کارندوں پر حملہ کر کے تمام مال پر قبضہ جما سکتا ہے۔"

"باس! کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ بیدار بخت آپ کا نام ہے۔ اگر آپ کا مال آرہا ہے تو دشمن کو اطلاع کیوں دے رہے ہیں؟"

"میرا کوئی مال نہیں آرہا ہے۔ میں بلیک پورٹ میں اسے گھیر کر ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

تارا نے فون کے پاس آکر ریسیور اٹھایا پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رابطہ ہونے پر دوسری طرف سے پوچھا گیا "آپ کون ہیں؟"

تارا نے ڈی آئی جی حشمت کی آواز اور لہجے میں کہا "میں حشمت بول رہا ہوں۔ مراد خان کو فون دو۔"

دوسری طرف سے پھر پوچھا گیا "حشمت۔ یہ حشمت کیا ہوتا ہے؟"

"گدھے کے بچے! اچھے بچے سے منع نہیں کر رہا ہوں۔ کان کا میل صاف کر۔ حشمت نہیں، حشمت۔ ڈی آئی جی حشمت بول رہا ہوں۔"

چند لمحوں کے بعد مراد خان کی آواز آئی "جناب عالی! معافی چاہتا ہوں۔ میرے ایک بہرے ملازم نے ریسیور اٹھایا تھا۔ حکم کریں بندہ پرور کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"خدمت تو میں کر رہا ہوں۔ تم میرا حصہ دیا کرتے ہو اس لیے بہت ہی خفیہ طور سے ملنے والی خبر سنا رہا ہوں۔ آج بلیک پورٹ پر بیدار بخت کا مال آرہا ہے۔ اگر اچانک گھیر کر حملہ کرو گے تو مال بھی ہاتھ آئے گا اور وہ کمینہ بیدار بخت بھی مارا جائے گا۔"

"شکریہ جناب عالی۔ آج میں دشمن کا کام تمام کروں گا۔ کل صبح تک آپ کا حصہ پہنچ جائے گا۔"

تارا نے ریسیور رکھ دیا۔ باس بیدار بخت اسے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ تارا نے ڈرتے ہوئے پوچھا "کیا میں نے کوئی غلطی کی ہے؟"

"غلطی کے بچے! تو نے فون پر مجھے کمینہ کیوں کہا؟"

"باس! میں آپ کا دشمن بن کر فون کر رہا تھا۔ میں تو اور دو چار گالیاں دینا چاہتا تھا۔ اس طرح دشمن کو کسی طرح شبہ نہیں ہوتا ہے۔"

باس نے فرمان کی طرف دیکھا۔ فرمان نے کہا "یہ درست ہے باس! دشمن بن کر آپ کا نام عزت سے لیا جاتا تو وہ آپ کی چال سمجھ سکتا تھا۔ اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے صرف گالیاں ہی نہیں، لات جوتے بھی کھانا چاہئیں۔"

"ہوں!" اس نے غصے سے فرمان کو دیکھا پھر بے بسی سے تائید میں سر ہلا کر رہ گیا۔

ایک مسلح کارندے نے آکر کہا "باس! اس غدار کی بیوی اور جوان بیٹا آگیا ہے۔"

بیدار بخت کرسی سے اٹھ گیا۔ تارا نے کہا "باس! میرا انعام؟"

"ابھی مل جائے گا۔ میرے ساتھ آؤ اور تماشا دیکھو۔"

وہ اور فرمان علی اپنے باس کے پیچھے چلتے ہوئے عمارت کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے ایک ٹارچر سیل میں پہنچے۔ وہاں ایک عورت اور اس کے جوان بیٹے کو الگ الگ ستونوں سے رسیوں کے ذریعے باندھا گیا تھا۔

آس پاس اور دور تک مسلح کارندے کھڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص بیدار بخت کو دیکھتے ہی دوڑتا ہوا آکر اس کے قدموں میں گر گیا اور گڑگڑا کر کہنے لگا "باس! میں تین برس سے آپ کا وفادار ملازم رہا ہوں۔ آپ کے لیے جان کی بازی لگاتا رہا ہوں پھر آپ

قارئین متوجہ ہوں

قرآن حکیم کی مقدس آیات و احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیے۔

نے میری بیوی اور جوان بیٹے کو قیدی کیوں بنایا ہے؟"

باس بیدار بخت نے ایک چٹکی بجائی۔ چند لمحوں بعد ہی اس ٹارچر سیل میں آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہاں دو مختلف دیواروں پر بڑے اسپیکر لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے پہلے ڈی آئی جی حشمت کی آواز ابھری، وہ کہہ رہا تھا "جانی! تم بڑی کامیابی سے مخبری کر رہے ہو۔"

بیدار بخت نے قدموں میں بیٹھے ہوئے شخص سے کہا "جانی تمہارا نام ہے نا؟"

اسپیکر سے جانی کی آواز ابھری۔ وہ ڈی آئی جی حشمت سے کہہ رہا تھا۔ "سر! ہمارے ملک میں منشیات کی لعنت بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے۔ اس لعنت کو ختم کرنا ہمارا فرض ہے۔"

ڈی آئی جی کی آواز آئی "شاباش! تمہاری صحیح اطلاعات کی بدولت ہم نے کئی بار منشیات کی اسمگلنگ کو ناکام بنایا ہے۔ تم اسی طرح بیدار بخت کے وفادار اور جاں نثار رہو۔ اوپر سے آرڈر آیا ہے کہ تمہیں ترقی دی جائے اور تمہاری تنخواہ میں اضافہ کیا جائے۔"

"سر! یہ آپ کی حوصلہ افزائی ہے۔ میں جلد ہی بیدار بخت کے اس خفیہ اڈے تک پہنچ جاؤں گا جہاں سے مال سپلائی ہوتا ہے اور ڈرگ مافیا کے گاڈ فادر کا نام پتا اور اس کے خلاف ثبوت بھی حاصل کروں گا۔ ہمارے ملک میں نشے کا زہر پھیلانے والا کسی دوسرے ملک میں ہے۔ بیدار بخت اس کا محض پاکستانی ایجنٹ ہے۔"

بیدار بخت نے چٹکی بجائی۔ اسپیکر سے آنے والی آوازیں بند ہو گئیں۔ جانی سہما ہوا سا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بیدار بخت نے مسکرا کر کہا "عجیب ہے۔ تم محب وطن ہو کر مجھ سے خوف زدہ نظر آرہے ہو۔"

"میں اپنے لیے نہیں، اپنی بیوی اور بیٹے کے لیے پریشان ہوں۔ آپ نے انہیں کیوں یہاں قید کیا ہے؟ میں آپ کا مجرم ہوں۔ آپ مجھے سزا دیں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر ایک طرف چلتے ہوئے بولا "نہیں، نہیں۔ تمہیں ایک گولی ماری جائے گی تو تم مر جاؤ گے۔ میں تمہیں زندہ رکھ کر روزانہ مرتے اور جیتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے تم

اپنی بیوی سے بہت محبت کرتے ہو؟"

فرحان علی باڈی گارڈ کی حیثیت سے وہاں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے تصور میں اپنی بیوی کو دیکھا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کی گردن میں باہیں ڈال رہی تھی۔

وہ تصور سے چونک گیا۔ جانی کہہ رہا تھا "ہاں میں سائرہ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ یہ ایک بے قصور گھریلو عورت ہے۔ یہ نہ مجرموں کو جانتی ہے اور نہ مخبروں کو۔ ہم اپنے بیوی بچوں سے بھی یہ سرکاری راز چھپاتے ہیں۔"

"تمہارے جیسے مخبروں اور سراغ رسانوں جیسا احمق اور کوئی نہیں ہوتا۔ تم لوگ فرض شناس ہوتے ہو مگر تمہارے چند افسران ہمارے بھتا خور اور نمک خوار ہیں۔ اس کا ثبوت تم نے دیکھ لیا۔ اسپیکر کے ذریعے تمہیں اس گفتگو کا ٹیپ سنایا گیا ہے جو کہ بند کمرے میں تمہارے اور ڈی آئی جی کے درمیان ہوئی تھی اور اتنی رازداری سے ہونے والی باتیں یہاں تک پہنچ گئیں۔"

جانی نے کہا "آپ درست کہتے ہیں۔ ہمیں ہمارے ہی ڈپارٹمنٹ کے لوگ سانپ بن کر ڈس لیتے ہیں لیکن میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھے ڈس لیں۔ میری بیوی اور بیٹا بے قصور ہیں۔"

"سنا ہے تمہارا یہ بیٹا بہت ذہین ہے۔ وظیفے پر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے بیرون ملک جانے والا ہے۔ یہ تمہارے لیے کتنے فخر کی بات ہے کہ یہ ملک کا نام روشن کرنے کے لیے بڑی بڑی ڈگریاں لے کر آئے گا لیکن اس سے پہلے موت آجائے گی تو کیا ہوگا؟ کیا آج تک کسی نے موت کا کچھ بگاڑا ہے؟"

جانی دوڑتا ہوا ستون سے بندھے ہوئے جوان بیٹے کے پاس گیا پھر بیدار بخت کی طرف پلٹ کر بیٹے کے آگے ڈھال بن کر بولا "یہ ہمارے ملک کے مستقبل کا روشن چراغ ہے۔ اسے نہ بجھاؤ۔ تم مجھے ایک گولی سے نہ مارو۔ مجھے ہر طرح سے تاراج کرو۔ اذیتیں دو۔ مجھے تڑپا تڑپا کر مار ڈالو مگر اسے میرا نہیں 'اپنا ہی بیٹا سمجھ کر جانے دو۔"

"تمہیں بیٹے کی موت سے پہلے کتنی تکلیف ہورہی ہے۔ یہ مرے گا تو اس کی میت قبرستان جائے گی لیکن اس کی قبر تمہارے دل میں بنے گی۔ تم اپنے اندر اس کی قبر میں رات کو دیا جلاؤ گے اور دن کو اگر بتی پھر دوسری قبر بیوی کی ہوگی۔ تم ان کے لیے آہیں بھروگے' فریاد کروگے لیکن تمہاری سرکار انہیں تمہارے لیے واپس نہیں لاسکے گی۔ صرف تمہارے سینے پر ایک تمغا سجادے گی۔ جب تم آئینے میں اس تمغے کو دیکھوگے تو وہ تمہاری بیوی اور بیٹے کی قبروں کا کتبہ نظر آئے گا۔"

جانی کے تیور بدل گئے۔ اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہاں سے رہائی ممکن نہیں ہے۔ وہ گرج کر بولا "تیرا نام بیدار بخت نہیں خوابیدہ بخت ہونا چاہیے۔ خدا نے چاہا تو تیری آنکھ ایسے بند ہوگی

[illegible] بیدار [illegible]
ایک گن دے پھر دیکھ تیرے یہ تمام گن مین مجھے زندہ نہیں [illegible] گے۔"

"یہ ہتھیار تو طاقت ہیں۔ ہتھیاروں کے زور پر ہی حکومت کی جاتی ہے۔ ہمارا خودکشی کا ارادہ ہوتا تو تمہیں ضرور ہتھیار دیتے۔ فی الحال تو گولیاں ہی دے سکتے ہیں۔"

اس نے اپنے مسلح ماتحتوں سے کہا "جانی نے ہماری بڑی خدمت کی ہے۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اسے وہاں سے لات مار کر بھگاؤ اور اس کے خاندان کو نابود کردو۔"

حکم سنتے ہی ایک نے جانی کو زور کی لات ماری۔ وہ دور جا گرا۔ دوسرے نے ایک گن سے اس کے جوان بیٹے کا نشانہ لیا۔ فرحان علی نے چونک کر دیکھا۔ تصور میں جانی کے بیٹے کی جگہ آٹھ برس کا کامران دکھائی دیا۔ وہ باپ کو پکار رہا تھا۔ "پاپا! مجھے بچاؤ۔ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے پاپا' پاپا!"

کامران رو رہا تھا۔ باپ کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک گولی چلی۔ کامران کے حلق سے آخری چیخ نکلی پھر فائر کی کئی آوازیں سن کر فرحان علی نے خیالات سے چونک کر دیکھا۔ جانی کی بیوی اور بیٹا ستون سے اسی طرح بندھے ہوئے تھے لیکن مردہ ہوچکے تھے۔ جانی وحشت سے اپنے سینے پر دونوں ہاتھ مار رہا تھا۔ اپنے کپڑے پھاڑ رہا تھا اور اپنے سر کے بال نوچ رہا تھا۔

بیدار بخت نے اپنے ماتحتوں سے کہا "اس پاگل کے بچے کو یہاں سے لے جاؤ اور کہیں دور لے جاکر پھینک دو۔ اسے ماتم کرنے کے لیے زندہ رہنے دو۔"

وہ حکم دے کر پلٹ گیا۔ تارا اور فرحان علی اس کے پیچھے چلے گئے۔ فرحان کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس کے اندر اپنی بیوی اسما کی آہیں' بیٹے کی فریادیں اور آخری چیخیں گونج رہی تھیں۔ دماغ کے اندر اس طوفانی شور میں صرف ایک سوال گونج رہا تھا۔ کیا اس سے محبت کرنے والی شریک حیات اسما اور اس کے جگر کے ٹکڑے کامران کا بھی یہی انجام ہوگا؟

OOO

ہرے بھرے پارک میں بے شمار بچے کھیل رہے تھے۔ ان بچوں کی نگرانی کے لیے ان کی آیائیں بھی ساتھ تھیں۔ بعض بچوں کے ساتھ ان کے والدین بھی کھیل رہے تھے۔ اکثر بچوں کو جھولا جھولنے کا بہت شوق ہوتا ہے اس لیے پارک میں جہاں جھولے پڑے ہوئے تھے' وہاں بڑی بھیڑ تھی۔ اسما اپنے بیٹے کامران کے ساتھ سی ساکے پاس آئی تھی۔ سی ساایک ایسا کھیل ہے جس میں لکڑی کا ایک بڑا سا تختہ ہوتا ہے۔ اس تختے کے دونوں سروں پر ایک ایک بچہ بیٹھ کر اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر جھولتا ہے۔ ایک وقت میں ایک بچہ نیچے آتا ہے تو دوسرا بچہ اوپر کو جاتا ہے۔ کامران کا کوئی ہمجولی نہیں تھا۔ لہٰذا اسما اسے تختے کے ایک سرے

[illegible]
کامران خوش ہورہا تھا۔ بلندی پر جاتے وقت وہ خوف اور مسرتوں سے چیخنے لگتا تھا۔ ڈرتا بھی تھا اور قہقہے بھی لگاتا تھا۔

فرحان علی نے پارک میں داخل ہوکر اپنی شریک حیات اور اپنے بیٹے کامران کو دیکھا۔ آہستہ آہستہ ان کے قریب جاتے ہوئے سوچنے لگا۔ اپنے بیٹے کی طرح میں بھی اندر سے خوف زدہ ہوں اور اوپر سے ہنستا مسکراتا رہتا ہوں۔ میری ازدواجی زندگی اور گھریلو زندگی کتنی خوش گوار ہے۔ ایسی خوشگواری اور خوشحالی کے پیچھے مجرموں کا... خوف سایا رہتا ہے۔ اگر اس ظالم باس کو معلوم ہوگیا کہ میں سراغ رساں ہوں تو میری بیوی اور بچے کا انجام بھی وہی ہوگا' جو جانی جیسے مخبر کی بیوی اور اس کے جوان بیٹے کا ہوا تھا۔

خطرناک مجرموں سے ٹکرانے والی سرکاری ملازمت ہمیشہ جان لیوا ہوتی ہے۔ اگر اپنی جان نہ جائے' تب بھی بیوی بچوں کے سروں پر خطرات منڈلاتے رہتے ہیں۔ فرحان اپنی اسما اور اپنے بیٹے کو جب بھی ہنستے بولتے دیکھتا تھا' اندر سے ٹوٹنے لگتا تھا۔

جب وہ اسما اور بیٹے کے قریب آیا تو ایک عورت کی چیخ سنائی دی پھر کئی چیخیں ابھرنے لگیں۔ ایک جھولے کی زنجیر ٹوٹ گئی تھی۔ اس میں بیٹھا ہوا بچہ بلندی پر جھولتے وقت فضا میں جیسے اڑنے لگا تھا۔ اس کی ماں ہائے ہائے کررہی تھی۔ بلندی سے آکر گرنے والے بچے کو کوئی اس کی بدقسمتی سے بچا نہیں سکتا تھا لیکن وہ سیدھا سی ساکے قریب آیا۔ اسما نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس بچے کو کیچ کرلیا مگر خود توازن نہ سنبھال سکی۔ بچے کی حفاظت کرتی ہوئی سی ساکے تختے کے ایک سرے پر گر پڑی۔ دوسرے سرے پر بیٹھے ہوئے کامران کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اسما کے ایک سرے پر گرنے سے کامران دوسرے سرے سے بلندی کی طرف اچھل گیا۔ تختے سے الگ ہوکر فضا میں خوف سے چیخنے لگا۔ اب اس کے زمین پر گرنے اور ہاتھ پاؤں ٹوٹنے کی باری تھی۔ ایسے ہی وقت فرحان نے دوڑتے ہوئے دونوں بازوؤں کو پھیلا کر اپنے بیٹے کو آغوش میں سمیٹ لیا۔

اسما اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے زمین سے اٹھتے ہوئے چیخنے لگی تھی پھر اس نے بیٹے کو باپ کی آغوش میں صحیح سلامت دیکھا تو خوشی سے آنکھیں بھیگ گئیں۔ پرائے بچے کی ماں جلدی سے آکر اس کے بازوؤں سے اپنے بیٹے کو لے کر اسما کا شکریہ ادا کرنے لگی اور اسے دعائیں دینے لگی۔

اسما نے کہا "بہن! آپ کی دعائیں قبول ہوگئی ہیں۔ وہ دیکھیں میرا بیٹا بھی بلندی سے گرتے گرتے باپ کی آغوش میں پہنچ گیا ہے۔"

فرحان نے بیٹے کو زمین پر کھڑا کرتے ہوئے اسے تھپک کر کہا "میرا بیٹا تو بہت دلیر ہے۔ ڈرتا نہیں ہے۔ مشکل کے وقت سنبھلنے کی کوشش کرتا ہے۔"

اسما تیزی سے قریب آئی پھر بیٹے کو سینے سے لگا کر فرحان سے بولی "کیا خدا کی قدرت ہے۔ میں نے پرائے بچے کی حفاظت کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمارے بچے کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔"

"میں گھر گیا تھا۔ وہاں تمہیں نہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ کامران کو لے کر پارک آئی ہوگی۔ اگر میں یہاں نہ آتا تو کیا ہوتا؟"

"آج اتفاقاً ایک بڑا حادثہ پیش آتے آتے رہ گیا۔ میں اپنے بیٹے کا صدقہ اتاروں گی۔"

فرحان نے کہا "زندگی میں ہمیشہ اتفاقاً حادثے پیش نہیں آتے۔ دشمن بھی حادثوں کے بہانے زندگیاں چھین لیتے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ بعض لوگ اس طرح چھپ کر دشمنی کرتے ہیں کہ پتا نہیں چلتا۔"

"آپ تو خواہ مخواہ ڈرا رہے ہیں۔ یہاں سے چلیں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

فرحان نے بیٹے کے ساتھ چلتے ہوئے بیوی سے کہا "تم آج کل کچھ زیادہ ہی گھر سے باہر رہنے لگی ہو۔"

"میں صرف بیٹے کے لیے باہر نکلتی ہوں۔ صبح اسے اسکول پہنچاتی ہوں' دوپہر کو اسکول سے واپس لانے کے لیے گھر سے نکلتی ہوں۔ آپ کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ بیٹے کو تفریح کے لیے کہیں لے کر جایا کریں۔ مجبوراً میں ہی اسے کھیلنے کودنے کے لیے پارک لے آتی ہوں۔"

"کچھ بھی ہو۔ مجھے تمہارا یوں باہر نکلنا پسند نہیں ہے۔"

"آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟ پہلے تو آپ ایسی پابندیاں عائد نہیں کرتے تھے؟ میرے باہر نکلنے سے کیا قیامت آجائے گی؟"

"قیامت آسکتی ہے۔ ایک حسین عورت کو اغوا کیا جاسکتا ہے اور اغوا کرنے کے لیے بیٹے کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔"

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ کامران کو اپنے سے لپٹا کر بولی "خدا نہ کرے' کبھی ایسا ہو۔ آج پارک میں بچے کو ذرا سا حادثہ پیش آیا ہے تو آپ خواہ مخواہ ڈرائے جارہے ہیں۔"

وہ جواباً کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے دونوں کے ساتھ چلتا ہوا گھر کے دروازے تک آیا۔ اسما نے چابی سے دروازے کو کھولا۔ بیٹے کے ساتھ اندر گئی پھر پلٹ کر بولی "آپ کیوں کھڑے ہیں' اندر آئیں۔"

"میں ابھی آجاؤں گا۔ تم دروازے کو اندر سے بند رکھو۔ جب تک میری آواز نہ سنو تب تک کسی دستک پر دروازہ نہ کھولا کرو۔"

اسما نے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر پوچھا "بات کیا ہے؟ پہلے تو آپ نے ایسی ہدایات نہیں دیں۔ کیا آپ نے کسی کو دشمن بنالیا ہے؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ دروازہ بند کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد

آؤں گا۔"

اسما نے شوہر کو پریشان دیکھ کر بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے کہا "آپ جلدی آ جائیے گا۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو اسے دنیا والے نہیں، صرف بیوی ہی دور کر سکے گی۔"

دروازہ بند ہونے کے بعد وہ اسی جگہ کھڑا رہا۔ اسے کہیں جانا نہیں تھا۔ وہ محض اندر کے اندیشوں کو باہر نکال پھینکنے کے لیے تازہ کھلے ماحول میں رہنا چاہتا تھا۔ کوئی ایسی تدبیر کرنا چاہتا تھا، جس پر عمل کرنے سے اسما اور کامران کی زندگیاں طبعی عمر تک پہنچیں اور وہ بیدار بخت کی لائی ہوئی موت سے مارے نہ جاتے۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں اپنے دروازے کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ کوئی جگہ نہیں تھی جہاں جانے سے پوری فیملی کی حفاظتی تدابیر کے نتیجے ہاتھ لگ جاتے۔ اگر انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ سے ملازمت چھوڑتا تو اس ڈپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر جنرل کو یہی شبہ ہوتا کہ فرمان علی بھی مجرموں کے سرغنہ بیدار بخت کے ہاتھوں فروخت ہو گیا ہے۔ حالانکہ اسے اپنی جان کی پروا نہیں تھی۔ وہ اپنے ملک سے جرائم ختم کرنا چاہتا تھا مگر ایسے آثار نظر آ رہے تھے کہ حب الوطنی کا یہ جذبہ اسے بہت مہنگا پڑنے والا ہے۔

رات کے آٹھ بجے اسما نے ایک کھڑکی کو ذرا سا کھول کر دیکھا۔ اسے دروازے کے سامنے بیٹھے ہوئے فرمان علی کے لباس کی جھلک نظر آئی۔ اسے یقین نہیں آیا کہ جس کا انتظار وہ شام سے کر رہی ہے، وہ دروازے پر بیٹھا ہے۔

وہ یقین کرنے کے لیے دروازے کے پاس آئی۔ پہلے اس نے کی ہول سے جھانک کر دیکھا۔ وہاں سے باہر کی اسٹریٹ لائٹ میں فرمان علی کی صورت نظر آئی۔ اس نے فوراً دروازے کو کھولا۔ فرمان خیالات میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ اس نے دروازہ کھلنے کی آواز نہیں سنی۔ جب اسما باہر نکل کر اس کے پاس آ کر بیٹھی تو اس نے چونک کر اپنی شریک حیات کو دیکھا پھر کہا "وہ۔۔۔ وہ میں ابھی آ کر بیٹھا ہوں۔"

"میں نے تو آپ سے نہیں پوچھا کہ کب سے بیٹھے ہیں؟ یہ بھی نہیں پوچھوں گی کہ پہلے کبھی گھر والا گھر کے باہر دروازے پر نہیں بیٹھا۔ آج کیوں بیٹھا ہے؟"

اس نے اسما کو دیکھا پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا "میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا مگر تم میری خاموشی اور پریشانی دیکھ کر پریشان ہو رہی ہو اس لیے بتا رہا ہوں۔ میرے ایک دوست کی بیوی اور جوان بیٹا ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے ہیں پھر شام کو پارک میں کامران کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا تو میرا دل بُری طرح گھبرانے لگا ہے۔"

"آپ بہت حساس ہیں۔ آپ کے دوست کی بیوی اور بیٹے کی ہلاکت سے مجھے بھی دکھ ہو رہا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کی طرح خدانخواستہ ہمیں بھی کوئی حادثہ پیش آ جائے۔"

[illegible] کے بازو [illegible] بیوی اور بیٹا کس طرح قتل کیے گئے۔ وہ تو ایک معمولی مخبر تھا جبکہ فرمان علی سرکاری طور پر بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والا سراغ رساں تھا اور ڈائریکٹر جنرل نے خاص طور پر اسے بیدار بخت کے پیچھے لگایا تھا۔ یہ باتیں اس طرح راز میں رکھی جاتی ہیں کہ اپنی بیوی اور بچوں کو بھی بتائی نہیں جاتیں۔

اسما نے اس کے بازو کو پکڑ کر کہا "چلیں اٹھیے۔ یہاں بیٹھے رہے تو پڑوسی کیا سوچیں گے؟"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ گھر کے اندر آ گیا۔

کامران سو گیا تھا۔ وہ دونوں بھی اپنے بیڈ روم میں آ گئے۔ ان میاں بیوی میں پہلے ہی محبت کچھ کم نہ تھی۔ اس رات اسما نے ٹوٹ کر اس سے پیار کیا تاکہ اس کے دل و دماغ سے پریشانیاں دور ہو جائیں لیکن وہ بے چاری نہیں جانتی تھی کہ اپنے شوہر کو جس قدر پیار دے رہی ہے اسی قدر وہ شوہر اپنی بیوی بچے کی بے حد و حساب محبتوں سے زخمی ہو رہا ہے اور ایسی فکر میں مبتلا ہو رہا ہے جو انسان کا خون خشک کر دیتی ہے۔

اس کے اعلیٰ افسر سے یہ طے پایا تھا کہ جب تک وہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو گا، اس وقت تک اپنے اس اعلیٰ افسر سے رابطہ نہیں کرے گا اور اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف بھی رخ نہیں کرے گا۔ ایسا کرنے سے اندیشہ تھا کہ بیدار بخت کو اپنے مخبروں کے ذریعے اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی۔

دو روز بعد وہ ایک باڈی گارڈ کی حیثیت سے بیدار بخت کے ساتھ ایک کار میں بیٹھ کر ایک شاہراہ سے گزر رہا تھا تو انہیں تیز رفتار ٹریفک کے درمیان جانی نظر آیا۔

ڈرائیور نے بیدار بخت کے حکم سے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی پھر سب ہی جانی کو دیکھنے لگے۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، داڑھی بڑھ گئی تھی اور سر کے چھوٹے چھوٹے بال کانٹوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بیچ سڑک پر کھڑا ہوا ٹریفک پولیس کی طرح تیز رفتار گاڑیوں کو سگنل دے رہا تھا اور چیخ چیخ کر گالیاں دے رہا تھا کہ وہ تمام گاڑیوں والے ٹریفک کے اصولوں کی پابندی نہیں کر رہے ہیں اور آندھی طوفان کی رفتار سے گاڑیاں دوڑاتے جا رہے ہیں۔

بیدار بخت نے ہنستے ہوئے کہا "میں جانتا تھا، بیوی اور جوان بیٹے کی موت اسے پاگل بنا دے گی اور یہ پاگل بن چکا ہے۔ میں غداروں کو اسی طرح زندہ رکھ کر زندگی سے بیگانہ کر دیتا ہوں۔"

فرمان علی کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے تھوک نگل کر حلق کو تر کرتے ہوئے کہا "باس! یہ بھی ہوش و حواس میں آ کر آپ کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا ہے۔"

باس نے کہا "میں ایسی گہری چوٹ پہنچاتا ہوں کہ زخم بھی

میں [illegible] سے میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملے گا۔ میں ایک بار ٹھوکر کھانے کے بعد ٹھوکر کھانے والی جگہ سے گزرنا چھوڑ دیتا ہوں۔"

فرمان کو بیدار بخت کی ایک ایک بات ایسے لگ رہی تھی جیسے گرم گرم سلاخیں اس کے دل پر داغی جا رہی ہوں۔ ایسا احساس اس لیے بھی شدت اختیار کر رہا تھا کہ وہ بہت جلد بیدار بخت کے گہرے رازوں اور دوسرے ملک رہنے والے اس کے بگ باس تک بھی ثبوت کے ساتھ پہنچنے والا تھا۔ اس کے بعد ان کے خلاف بڑے آپریشن کا منصوبہ تھا۔

ایسے ہی مرحلے پر اگر بیدار بخت کو کسی طرح خفیہ آپریشن اور فرمان کی مخبری کی اطلاع مل جاتی تو اسما اور کامران کا بھی وہی انجام آنکھوں کے سامنے ہوتا جو جانی کی بیوی اور بیٹے کا ہو چکا تھا۔

مشکل یہ تھی کہ فرمان انہیں شہر یا ملک سے باہر نہیں بھیج سکتا تھا۔ بیدار بخت کے بگ باس کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ وہ دنیا کے آخری سرے تک پہنچ کر اس کی اسما اور اس کے بیٹے کامران کو ہلاک کروا سکتا تھا۔

وہ روز صبح و شام اپنی شریک حیات اور بیٹے کو دیکھتا تھا۔ اب ایک ہی صورت ان کے بچاؤ کی نظر آ رہی تھی کہ وہ بیوی اور بیٹے سے ہمیشہ کے لیے رشتہ توڑ لے۔ ان سے شوہر اور باپ کا تو کیا ہمدردی کا بھی کوئی رشتہ نہ رکھے اور یہ خبر بیدار بخت تک پہنچا دے کہ بیوی اور بیٹا ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے نکل گئے ہیں۔

اس نے اپنے فیصلے پر زیادہ غور نہیں کیا۔ دوسرے ہی دن اس نے اسما سے پوچھا "تم کامران کو اسکول سے واپس لانے گئی تھیں لیکن اسکول کے گیٹ پر ایک کار والے سے مسکرا کر باتیں کر رہی تھیں۔ کیا وہ لطیفے سنا رہا تھا یا اس مسکرانے والے کے ساتھ دوستی ہو گئی ہے؟"

وہ حیرانی سے بولی "آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ وہ شخص ہمارے کامران کے کلاس فیلو کا باپ ہے۔ مجھے تو یاد نہیں ہے کہ میں مسکرا رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کسی وقت اس نے کوئی ہنسا دینے والی بات کی ہو۔ میں حیران ہوں کہ آپ میری ٹوہ میں رہنے لگے ہیں۔"

"پہلے نہیں رہتا تھا لیکن یہ تماشا دیکھنے کے بعد مجھے ٹوہ میں رہنا چاہیے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ عورت پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے وہ سچ کہتے ہیں۔"

وہ غصے سے بولی "وہ بکواس کرتے ہیں۔ آپ پہلے مجھ پر اندھا اعتماد کرتے تھے، اب آپ کا مزاج بدلتا جا رہا ہے۔ کیا مجھ سے دل بھر گیا ہے؟"

"تمہیں اپنے حسن پر ناز ہے اس لیے بہک رہی ہو۔ اگر آئندہ میں نے تمہیں کسی غیر سے گفتگو کرتے دیکھ لیا تو۔۔۔"

وہ غصے سے جانے لگا۔ اسما نے اس کی آستین پکڑ کر کہا۔

"آپ نے پہلی بار میرے کردار پر کیچڑ اچھالی ہے۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ آپ مجھے مار ڈالیں لیکن اپنے الفاظ واپس لیں۔"

اس نے ایک الٹا ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا "تمہاری یہ مجال کہ میری آستین پکڑ کر میرا راستہ روکو۔"

یہ کہہ کر اس نے اسما کو دھکا دیا۔ وہ زمین پر گر پڑی۔ کامران دور سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور زمین پر پڑی ہوئی ماں سے لپٹ کر بولا "ممی! پاپا گندے ہیں۔ پاپا نے آپ کو مارا ہے، میں بڑا ہو کر پاپا کو ماروں گا۔"

فرمان علی کے دماغ کو شاک پہنچا۔ وہ بغض یا نفرت سے ایسا نہیں کر رہا تھا لیکن اسے بیٹے کی نفرت مل رہی تھی۔ محبت کرنے والا بیٹا اپنی ماں کی حمایت میں معصومیت سے کہہ رہا تھا کہ وہ بڑا ہو کر ماں کے غم کا حساب لے گا۔

وہ ایک دم سے منہ پھیر کر کمرے سے باہر آیا پھر گھر سے باہر آ گیا۔ جنہیں دل و جان سے چاہتا تھا ان کی نفرتیں مول لینے پر اندر سے ٹوٹ کر بکھر رہا تھا۔ تیزی سے ایک طرف چلا جا رہا تھا۔ اپنے آپ کو سمجھا رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اپنے پیاروں کے لیے کر رہا ہے۔ اگر ان سے نفرتیں لے کر انہیں سلامتی دے سکتا ہے تو دل پر پتھر رکھ کر یہ سودا کرنا چاہیے۔

دوسرے دن اسما کامران کا ہاتھ پکڑے فٹ پاتھ پر چل رہی تھی۔ ایک شخص شاپنگ کے بعد بہت سے پیکٹس اٹھائے ان ماں بیٹے کے ساتھ چل رہا تھا۔ رات کے دس بجے فرمان علی گھر میں آیا تو نشے میں ڈگمگا رہا تھا۔ اسما نے حیرانی سے پوچھا "کیا آپ نے پی ہے۔ آپ سے کیسی بدبو آ رہی ہے۔"

"میرے تو منہ سے بدبو آ رہی ہے لیکن تمہارے پورے وجود سے بدبو پھوٹ رہی ہے۔ آج میں نے جو دیکھا ہے اسے دیکھ کر کوئی غیرت مند شوہر برداشت نہیں کر سکتا۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ نے کیا دیکھا ہے؟"

"بے شرم، بے حیا! مجھ سے پوچھتی ہے۔ اب تیرے یار تجھے شاپنگ کرانے لگے ہیں۔ تیرے ساتھ شاپنگ کا سامان اٹھا کر چلتے ہیں۔"

وہ چیخ کر بولی "آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ میں کامران کے ساتھ ٹیکسی اسٹینڈ جا رہی تھی۔ کوئی شخص اپنا سامان اٹھائے جا رہا تھا۔ میں چاہتی تھی وہ آگے نکل جائے لیکن بھاری سامان کے باعث اس کی رفتار سست تھی۔"

"مگر تم تیز رفتاری سے دور ہو سکتی تھیں۔"

"کامران بچہ ہے۔ آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ میں تیزی سے چل نہیں سکتی تھی۔"

"کیا تم انکار کرتی ہو کہ کسی نے تمہیں شاپنگ نہیں کرائی ہے؟"

"ہاں انکار کرتی ہوں۔ آپ گھر کی تلاشی لے لیں۔ آپ کو شاپنگ کی ایک چیز بھی نہیں ملے گی۔"

وہ تلاشی لینے لگا پھر وہ دوسرے کمرے میں گیا تو اس کے پیچھے آنے والی اسما ٹھٹک گئی۔ ایک پلنگ پر ڈھیر ساری مہنگی شاپنگ کا سامان پڑا ہوا تھا۔ حیرانی اور شدید بے عزتی کے احساس سے اسما چیخ پڑی "نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی دشمن مجھے بدنام کرنا چاہتا ہے۔ وہ دیکھیں کسی نے وہ کھڑکی کھولی ہے اور یہ تمام سامان یہاں پھینک گیا ہے۔"

اس کے چیخنے اور بولنے کی آواز پر کامران نیند سے بیدار ہو گیا۔ بستر سے اتر کر ان کی طرف آنے لگا۔ فرمان اس وقت اسما کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر کہہ رہا تھا "تم کہتی ہو کوئی سامان یہاں پھینک گیا ہے۔ اتنا قیمتی سامان کوئی پھینک کر نہیں بلکہ معشوق کے قدموں میں رکھ کر جاتا ہے۔ تم مجھے بے وقوف شوہر سمجھ کر ایسی باتیں بنا رہی ہو؟"

سر کے بال فرمان کی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔ وہ تکلیف سے کراہتی ہوئی بولی "میں اپنے کامران کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ میں بے وفا نہیں ہوں۔ میں صرف آپ کی اور صرف آپ کی۔"

فرمان نے سر کے بالوں کو جھٹکا دے کر اسے دور گرا دیا۔ کامران اپنی ماں کو سنبھالنے کے انداز میں قریب آیا پھر بولا "پاپا! میری ممی کو نہ ماریں۔ آپ ماریں گے تو میں بھی ممی کے ساتھ مر جاؤں گا۔"

فرمان علی کے دماغ میں جیسے بجلی سی کوندی۔ خلائیں کی آواز کے ساتھ جانی کی بیوی اور جوان بیٹا مرتے ہوئے دکھائی دیے۔ اور سامنے اس کی اسما اور کامران ابھی زندہ تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر محبت کر سکتا تھا لیکن دکھاوے کی نفرت سے اپنا مقصد پورا نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ وہاں سے پلٹ کر کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف گیا پھر کہا "اس کھلی ہوئی کھڑکی کے راستے عشق ہوتا ہے اور شوہر کے اعتماد کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ اب میں تمہارے ساتھ ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتا۔ ہمارے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ میں تمہیں طلاق دے کر اپنی زندگی سے آزاد کر رہا ہوں۔"

وہ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ وہیں سے چیخ کر بولی "نہیں، آپ مجھے بدچلن سمجھتے ہیں تو جان سے مار ڈالیں۔ مگر طلاق نہ دیں۔"

وہ نظریں نہیں ملا رہا تھا۔ منہ پھیر کر کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کہا "مگرمچھ کے آنسو کسی اور کو دکھاؤ۔ میں پورے ہوش و حواس میں رہ کر تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔"

"نہیں" اسما کے حلق سے چیخ نکلی۔ وہ زمین پر سے اٹھنے لگی۔ کامران ماں کو سنبھالتے ہوئے غصے سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

فرمان نے کہا "میں تمہاری بے حیائی کے تمام ثبوت دیکھ کر تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔"

دوسری بار طلاق کا لفظ چھری کی طرح لگا۔ اسما اٹھ کر شوہر کی [illegible] میں پورے ہوش و حواس میں رہ کر یہ تیسری طلاق بھی دے رہا ہوں۔"

اسما نے صدمے کی شدت سے "نہیں" کہہ کر دونوں ہاتھ فرش پر مارے۔ دونوں کلائیوں کی چوڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئیں۔ فرمان ان چوڑیوں کے ٹکڑوں کو جوتوں سے روندتا ہوا دروازے کے پاس آیا۔ اس وقت کامران کہہ رہا تھا "ممی! کیسے ہیں یہ پاپا! [illegible]"

اس نے دروازے پر رک کر پیچھے دکھ سے بیوی اور بیٹے کو دیکھا۔ پھر کہا "میں حق مہر کے عوض اپنا یہ مکان اور سامان کی چیزیں تمہیں دے کر جا رہا ہوں۔ اور یہ بیٹا جس پر میرا حق ہے اسے میں [illegible] نے۔"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کامران نے کہا "میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔ میں صرف اپنی ممی کا بیٹا ہوں۔"

فرمان نے کہا "میرے کہنے سے پہلے ہی بچے نے کہہ دیا ہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ تمہیں مبارک ہو۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا اس مکان سے نکل گیا۔ باہر اس کے پاس کی پجیرو کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا پھر اسے اسٹارٹ کر کے تیزی سے ڈرائیو کرنے لگا۔ اس نے اپنے اور بیوی بچے کے درمیان ایسی فولادی دیوار کھڑی کر دی تھی۔ جو مذہب کے مطابق تھی۔ اس دیوار کو اب کوئی طاقت توڑ نہیں سکتی تھی اور نہ ہی اس لٹے ہوئے گھر کو آئندہ بستا بستا گھر بنایا جا سکتی تھی۔

وہ جنونی انداز میں ڈرائیو کرتا ہوا بیدار بخت کی کوٹھی کے سامنے آیا۔ دربان گیٹ کھولنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی اس کی پجیرو گیٹ کو توڑتی ہوئی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ دربان دوڑتا ہوا کیبن میں گیا۔ پھر فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کر کے بولا "جناب عالی! آپ کا باڈی گارڈ فرمان بہت غصے میں ہے۔ وہ پجیرو کے ذریعے گیٹ کو توڑتے ہوئے اندر آ گیا ہے۔"

فرمان احاطے میں داخل ہونے کے بعد گاڑی کو لان کے پھول پودوں اور گھاس وغیرہ پر چلا رہا تھا۔ کبھی اسٹیئرنگ گھما رہا تھا کبھی ادھر گاڑی کو موڑ رہا تھا۔ کتنے ہی گن مین خطرہ محسوس کرتے ہوئے دیواروں اور ستونوں کی آڑ میں اپنی اپنی گن سیدھی کیے کھڑے تھے۔ آخر وہ پجیرو سامنے کے ایک ستون سے ٹکرا کر رک گئی۔ اسٹیئرنگ کی طرف کا دروازہ کھل گیا۔ فرمان کا سر اسٹیئرنگ سے ٹکرایا تھا۔ چہرہ زخمی ہو گیا تھا۔ وہ وہاں سے لڑکھڑاتا ہوا گرتے ہوئے دروازے سے باہر آ کر گھاس پر گر پڑا۔

بیدار بخت اوپر بالکنی سے یہ سب کچھ حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فرمان علی جیسا وفادار باڈی گارڈ

دکھتیں کیوں کر رہا ہے۔ جب وہ زخمی حالت میں گاڑی سے باہر گر پڑا تو اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا "اسے اٹھا کر اندر لے جاؤ۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ کارندوں نے اس کے پاس آ کر اٹھانا چاہا تو وہ خود اٹھ کر بیٹھ گیا پھر وہ مسلح افراد کا سہارا لے کر بڑی کمزوری سے چلتا ہوا کوٹھی کے اندر آیا۔ بیدار بخت بڑے سے ہال نما ڈرائنگ روم میں کھڑا ہوا تھا۔ اسے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ ایک کارندے نے کہا "باس! یہ فرمان کبھی پیتا نہیں ہے۔ لیکن آج اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے۔"

جن کارندوں نے فرمان کو سہارا دیا ہوا تھا۔ فرمان نے انہیں جھٹکے دے کر اپنے سے دور کرتے ہوئے پھر لڑکھڑاتے ہوئے کہا "ہاں میں نے پی ہے مگر پینے کے بعد بھی ہوش میں ہوں۔ باس! میں نے آپ کی قیمتی پجیرو کو نقصان پہنچایا ہے۔ آپ مجھے گولی مار دیں۔"

بیدار بخت نے کہا "تمہارے جیسے وفادار پر ایسی کئی پجیرو کو آگ لگا سکتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے۔ تم تو ٹھنڈے دماغ کے آدمی ہو۔ پھر آج ہوش اور جنون میں کیوں ہو؟"

"آج مجھ پر قیامت گزر گئی ہے۔ آج میری ازدواجی گھریلو زندگی کا باب بند ہو چکا ہے۔ میں ہمیشہ کے لیے بیوی اور بیٹے سے بچھڑ گیا ہوں۔"

"کیا تمہاری بیوی اور بیٹا مر گئے ہیں؟"

"ہاں دونوں میرے لیے مر گئے ہیں مگر پھر بھی زندہ ہیں۔ آپ سمجھیں کہ میں نشے میں بکواس کر رہا ہوں۔ میرا نشہ تو اسی وقت اتر گیا تھا جب میں نے اپنی بیوی کی بے حیائی دیکھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ میرے اعتماد کو دھوکا دے سکتی ہے۔ تو اس دنیا میں کسی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ باس! میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔"

"طلاق؟" باس نے پوچھا۔

"ہاں۔ اپنی آنکھوں سے اس کی بے حیائی دیکھنے کے بعد میری غیرت، میری مردانگی یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ میں اس کے ساتھ ایک پل بھی رہتا۔ اس لیے میں نے اسے طلاق دے دی۔ ایک نہیں، تین طلاقیں دے دیں۔ میں نے پان کی پیک کی طرح اسے اپنی زندگی سے باہر تھوک دیا ہے۔"

بیدار بخت نے کہا "تمہیں یہی کرنا چاہیے تھا۔ تم نے مردوں والی بات کی ہے۔ یہ اچھا کیا اپنی زندگی سے دھکا دے کر ایک بے وفا بدچلن کو نکال دیا۔ لیکن بیٹا تو تمہارا ہے۔"

"ہا!" فرمان ادھر سے ادھر جاتے ہوئے ہنسنے لگا "ہا ہا ہا ہا۔ بیٹا میرا ہے مگر میں باپ ہو کر بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرا ہے۔ جو عورت ایک مرد کی نہ ہو۔ اس کی اولاد کا حساب نہیں ملتا کہ ایک بے حیا عورت کے بیٹے کا اصل باپ کون ہے؟ میں نے اس بیٹے کو بھی اس کے حوالے کر دیا ہے اگر وہ میرے پاس رہتا تو اسے دیکھ دیکھ کر میری غیرت پوچھتی رہتی کہ واقعی وہ میرا خون ہے یا نہیں؟"

"بے شک۔ صرف ایک عورت ہی بتا سکتی ہے کہ اس نے کس کی اولاد کو جنم دیا ہے۔ میں تمہارے احساسات کو سمجھ رہا ہوں۔ آج تمہیں بے وفا بیوی اور بیٹے کی دائمی جدائی کا صدمہ نہیں ہے بلکہ صدمہ یہ ہے کہ تم ایک عورت سے دھوکا کھاتے رہے۔ میں تمہارا غم غلط کروں گا۔"

اس نے ایک ملازم کو حکم دیا "فرمان کو ایک بلیک لیبل وہسکی کی بوتل دو۔ اور اس کوٹھی میں جو کنیز اسے پسند آئے اسے ہمارے وفادار کے حوالے کر دو۔"

"باس! میں ایک مہربانی چاہتا ہوں۔ آئندہ اس گھر میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ آپ میرا کوئی دوسرا ٹھکانا بنا دیں۔ یا دن رات مجھے اپنے قدموں میں رہنے دیں۔"

"تم نے ہمارے دل کی بات کہہ دی ہے۔ تم اسی لیے ہماری اس کوٹھی میں رہا کرو گے۔ جنہیں ٹھکرا کر چلے آئے ہو، انہیں بھول جاؤ۔ یہاں پیو اور عیش کرتے ہوئے جیو۔"

یہ کہہ کر بیدار بخت وہاں سے چلا گیا۔ فرمان علی جیسے مسرات سے چور ہو کر تھکے ہوئے انداز میں قالین پر گھٹنے ٹیک کر جھک گیا۔ اسے اب یہ اطمینان حاصل ہو گیا تھا کہ باس کو کبھی اس کی غداری کا علم ہو گا تو اسما اور کامران پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ وہ غداروں کی بیوی بچوں کو ہلاک کرتا تھا۔ اسما جیسی بدچلن ثابت ہونے والی مطلقہ عورت کو وہ کبھی ہلاک نہ کرتا۔ کیونکہ اس کی ہلاکت سے فرمان پر کوئی اثر نہ پڑتا۔ اس نے باس کے دماغ میں یہ بات بٹھا کر بیوی اور بیٹے کو سلامتی دی تھی مگر یہ سوچ کر وہ پریشان ہو رہا تھا کہ اسما جیسی محبت کرنے والی وفا شعار بیوی کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی؟

○☆○

وہ کامران کو اپنے سینے سے لگائے فرش پر بیٹھی رہی۔ سامنے دیوار کو تکتی رہی اور سوچتی رہی کہ ابھی جو کچھ ہو رہا ہے وہ سچ ہے یا محض خواب ہے۔ اگر ایسا دل دہلا دینے والا خواب ہوتا تو وہ آیت الکرسی پڑھ کر پھر سو جاتی مگر جاگتی ہوئی آنکھوں اور صدمے سے ٹوٹ جانے والا دل کہہ رہا تھا کہ اب وہ ایک مطلقہ عورت ہے۔ ایک دل و جان سے چاہنے والے شوہر نے اسے ہمیشہ کے لیے ٹھکرا دیا ہے۔

اور یہ توہین تو برداشت نہیں ہو رہی تھی کہ اس نے تمام تر وفاداری بھلا کر اس پر بدچلنی کا الزام لگایا ہے۔ اس بات پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کامران بار بار ماں کے آنسو پونچھتا رہا اور کہتا رہا "پاپا گندے ہیں۔ آپ نہ روئیں ممی! میں دروازہ بند کر دوں گا۔ پاپا کو یہاں نہیں آنے دوں گا۔"

وہ روتی ہوئی بولی "وہ خود نہیں آئیں گے۔ میں بھی ان کے

سامنے نہیں جا سکوں گی۔ کیونکہ ہم ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو چکے ہیں۔"

"ممی! یہ نامحرم کیا ہوتا ہے؟"

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟ اتنا سمجھ لو کہ وہ میرے لیے اور میں ان کے لیے پرائی ہو چکی ہوں۔ آئندہ ہم بھی تمہارے پاپا کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکیں گے اور۔"

وہ خلا میں تکتی ہوئی بولی "اور اب تو مجھے اس پرائے شخص سے پردہ کرنا ہوگا۔ ہاں پردہ کرنا ہوگا۔ میں ایسا پردہ کروں گی کہ وہ کبھی اپنی غلطی پر پچھتا کر مجھے ڈھونڈنا چاہیں گے تو میری صورت نہیں دیکھ سکیں گے۔"

وہ صبح اذان ہونے تک روتی رہی اور سوچتی رہی اور آئندہ عزت و آبرو سے زندگی گزارنے کی راہیں متعین کرتی رہی۔ کامران سو گیا تھا۔ وہ فرش پر سے اٹھ گئی۔ ایک طرف پلنگ پر رکھا ہوا شاپنگ کا ڈھیر سارا سامان ایک عزت دار گھریلو خاتون کی توہین کر رہا تھا۔ یہ سوال ذہن میں چبھ رہا تھا کہ وہ تمام سامان کس نے کھڑکی کے راستے اس کے گھر میں پہنچا کر اس کی ازدواجی زندگی میں آگ لگا دی ہے؟

اس چبھتے ہوئے سوال کا جواب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا پھر خلاف توقع اچانک ہی طلاق کی گالیاں کھانے کا صدمہ ایسا تھا کہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

اس نے اپنا اور کامران کا مختصر سا سامان باندھا پھر بیٹے کو نیند سے جگا کر اپنے ساتھ لے گئی۔ فرمان کے اس مکان کو اور مکان کے تمام سامان کو چھوڑ دیا۔ جس گھر میں شوہر نہ ہو' وہ گھر نہیں ہوتا۔ صرف ایک مکان ہوتا ہے اور وہ صرف مکان میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ گھر بسانا چاہتی تھی۔ مگر کیسے بساتی؟ ایک شریف عورت طلاق حاصل کرنے کے باوجود کسی پرائے مرد کو جیون ساتھی بنانا بھی گوارا نہیں کرتی۔

اس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ لاہور میں اس کی ایک سہیلی انگلش میڈیم اسکول کی ہیڈ مسٹریس تھی۔ وہاں اسما کو ایک ٹیچر کی ملازمت مل گئی۔ سہیلی نے اس کی رہائش کا بھی انتظام کر دیا۔ اس طرح وہ کراچی سے بہت دور آکر مطمئن ہو گئی کہ آئندہ کبھی فرمان علی سے سامنا نہیں ہوگا۔

فرمان نے اپنا گھر اجاڑ کر بیوی اور بیٹے کی سلامتی کو یقینی بنا دیا تھا مگر اس نے اپنے دل و دماغ کا سکون غارت کر لیا تھا۔ وہ مہینے دو مہینے اور چھ مہینے میں کئی بار اس مکان کے قریب سے گزرتا رہا اور اسے ہمیشہ ویران پاتا رہا۔ اس نے شہر کے مختلف حصوں میں بھی انہیں تلاش کیا۔ تلاش کرنے کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ بیوی اور بیٹے کی خیریت معلوم ہوتی رہے لیکن وہ دونوں اسے شہر میں نظر نہیں آئے۔ یہی بات سمجھ میں آئی کہ اسما بیٹے کو لے کر کسی دوسرے شہر چلی گئی ہے۔

...معلومات حاصل کریں۔ اس نے اعلیٰ افسران کے ذریعے پہلے انٹرپول سے تعاون حاصل کیا اور بیرون ملک رہنے والے بخت کے بگ باس کو گرفتار کرایا پھر تمام خفیہ اڈوں پر کامیاب چھاپے مارنے کے بعد بیدار بخت کو ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

اس نے ہتھکڑیاں پہننے کے بعد ناگواری سے مسکرا کر فرمان علی کو دیکھا' پھر کہا "میں نے کبھی کسی سے دھوکا نہیں کھایا تھا مگر تم تو آستین کے سانپ نکلے۔ ہم جیسے مجرم یہی غلطی کرتے ہیں کہ کبھی اپنے گریبان میں اور آستین میں جھانک کر نہیں دیکھتے ہیں۔"

فرمان نے کہا "اب پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔ آستین سے سانپ نکل آیا ہے۔ عدالت تمہیں اسمگلنگ اور کئی قتل کے جرم میں سزائے موت دے گی۔"

اس نے قہقہہ لگا کر کہا "میں تمہارے جیسے سانپ کا سر کچلے سے پہلے نہیں مروں گا۔ مجھے کسی جیل میں بھیجنے سے پہلے وہاں کی آہنی سلاخوں کو چیک کر لینا کیونکہ وہ میرے لیے کسی وقت بھی موم بن جائیں گی۔"

وہ پولیس والوں کی حراست میں چلا گیا۔ انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ کی طرف سے فرمان علی کو انعام و اعزازات سے نوازا گیا۔ اسے ماتحت چیف افسر کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ اس نے ڈائریکٹر جنرل سے کہا "سر! میں اپنی خدمات کے صلے میں دو ماہ کی چھٹی چاہتا ہوں۔ اس کم بخت بیدار بخت کا کیس ایسا منحوس تھا کہ میری بیوی اور بیٹا مجھ سے بچھڑ کر کہیں گم ہو گئے ہیں۔ میں انہیں تلاش کروں گا۔"

"تمہیں چھٹی مل جائے گی۔ ویسے اپنی بیوی اور بیٹے کی تصاویر تمام اخبارات میں شائع کراؤ۔ اور اپنا موجودہ پتا دو۔ وہ یقیناً اخبار پڑھ کر تم سے آملیں گے۔"

فرمان علی نے طلاق والی بات کسی افسر کو نہیں بتائی تھی کیونکہ اس طرح اسما کی توہین ہوتی اور بیٹا احساس کمتری میں مبتلا ہوتا۔ ویسے اس نے اخبارات میں اسما اور کامران کی تصاویر شائع کرائیں۔ اسما کو پیغام بھی دیا کہ وہ ایک بار آکر اس سے ملاقات کرے۔ وہ ازسرنو ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں لیکن یہ طریقہ ناکام رہا۔ اسما نہ اس کے شائع کردہ پتے پر ملنے آئی اور نہ ہی اس کے پیغام کا جواب ڈاک کے ذریعے دیا۔

وہ دو ماہ تک مختلف شہروں میں انہیں ڈھونڈتا رہا اور ناکام و نامراد بھٹکتا رہا پھر ڈیوٹی پر واپس آگیا۔ اسما نے نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ ایک ٹیچر کی حیثیت سے اسکول میں مصروف رہتی تھی پھر مزید آمدنی کے لیے بچوں کو ٹیوشن پڑھایا کرتی تھی۔ ایسی مصروفیات میں وہ اخبارات نہیں پڑھ پاتی تھی۔ اگر پڑھ بھی لیتی تو اس محبوب سے اور شوہر سے رابطہ نہ کرتی کیونکہ وہ نامحرم

ہو چکا تھا۔

یوں مہینے اور سال گزرنے لگے۔ کامران جوان ہو گیا۔ اس نے سب سے زیادہ مارکس حاصل کر کے انٹر کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ وہ بہت ذہین تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ طلاق کیا ہوتی ہے؟ اس کے باپ نے کس طرح اس کی ماں پر جھوٹا الزام لگا کر ماں بیٹے کو اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ وہ جب بھی فرمان علی کے متعلق سوچتا تھا تو نفرت سے دل و دماغ میں زہر بھرنے لگتا تھا۔

اسما نے کہا "بیٹے! میں نے اپنی زندگی میں جو بہت بڑا صدمہ اٹھایا تھا۔ تمہاری شاندار کامیابی نے اس صدمے کو کم کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا بیٹا یونیورسٹی کے بھی تمام امتحانات میں اوّل آیا کرے گا۔"

اس نے کہا "ممی! میں الجھن میں ہوں۔ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا' جس میں اس کم ظرف کا نام آئے جو میرا باپ کہلاتا ہے۔"

"بیٹے! یہ بری بات ہے۔ تمہارے پاپا جیسے بھی تھے۔ ان کی شان میں تمہیں گستاخی نہیں کرنا چاہیے۔"

"نہیں کروں گا لیکن اس نام کو اپنے ساتھ برداشت نہیں کروں گا۔ جب تک اسکول میں تعلیم حاصل کرتا رہا اور میرے سرٹیفکیٹ میں یہ لکھا جاتا رہا کہ کامران علی ولد فرمان علی تو میں خون کے گھونٹ پیتا رہا۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں ذہنی اذیت میں مبتلا نہ رہوں تو کسی طرح ولدیت میں آنے والے نام کو مٹا دیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ اولاد کی زندگی سے باپ کا نام بھی نہیں مٹ سکتا۔"

"جب آپ کی زندگی سے شوہر کا نام مٹ سکتا ہے تو وہی نام میری زندگی سے کیوں چپکا ہوا ہے؟"

"ایسا انسانی تہذیب کی ابتدا سے ہوتا آیا ہے۔ اولاد ہمیشہ باپ کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔"

وہ بیٹے کو سمجھاتی ہوئی کچن میں آئی پھر چولہا جلانے لگی۔ کامران نے کہا "میں یونیورسٹی میں داخلہ لینے جاؤں گا تو وہاں بھی ولدیت یہی لکھی جائے گی۔ میں کہوں گا' باپ کا نہیں میری ماں کا نام لکھو تو وہ بھی میری بات نہیں مانیں گے۔ ممی! میں صرف آپ کے نام سے پہچانا جانا پسند کرتا ہوں۔"

"تم ذہین ہو کر بیگانہ باتیں کر رہے ہو۔"

"یہ بیگانہ باتیں نہیں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے لوگو! قیامت کے دن تمہیں تمہاری ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیا اس دنیا کے اصول اور قوانین اللہ تعالیٰ کے فرمان سے بڑھ کر ہیں؟"

"اس سلسلے میں بحث نہ کرو۔ قیامت آئے دو پھر میرے نام سے اپنی شناخت قائم کر لینا۔"

"آج میں قیامت کے دن ہی آپ کے نام کے ساتھ یونیورسٹی میں داخلہ لوں گا۔ اس وقت تک یہ سرٹیفکیٹ میرے لیے عذاب ہے۔"

اس نے جیب سے سرٹیفکیٹ نکال کر اسے کھولا پھر اسے چولہے کی آگ کے پاس لے گیا۔ سرٹیفکیٹ کے ایک حصے میں آگ لگ گئی۔ شعلہ بھڑک گیا۔ اسما نے چیخ کر کہا "یہ کیا حماقت ہے؟"

اسما نے سرٹیفکیٹ سے بھڑکنے والے شعلے کو اپنی مٹھی میں دبا لیا۔ شعلہ دب گیا۔ آگ بجھ گئی۔ کامران نے ماں کے ہاتھ کو تھام کر پوچھا "ممی! یہ آپ نے کیا کیا؟ ہاتھ جل گیا ہوگا' پلیز مٹھی کھولیں' مجھے دیکھنے دیں۔"

اسما نے کہا "یہ صرف ایک سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔ تمہاری ماں کی برسوں کی محنت ہے۔ میں نے دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھا۔ محنت کرتی رہی اور تمہیں پڑھاتی رہی اور تم ایک پل میں میرے برسوں کی محنت کو جلا کر راکھ کرنا چاہتے ہو۔"

اسما نے سرٹیفکیٹ کو پوری طرح کھول کر اسے دکھاتے ہوئے کہا "دیکھو' یہ ذرا جل چکا ہے۔ لیکن میں نے تمہارے ساتھ تمہارے باپ کے نام کو جلنے سے بچا لیا ہے۔ جانتے ہو کیوں؟"

اس نے ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ماں نے کہا "تمہارے باپ کا نام جل جائے گا اور ایک باپ کا نام تمہاری زندگی میں نہیں رہے گا تو تمہاری ماں کو گالی پڑے گی۔ ایک بازاری عورت اپنی اولاد کے صحیح باپ کی نشاندہی نہیں کر سکتی۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میرے پاس بھی تمہارے باپ کی صحیح نشاندہی نہ ہو؟"

کامران تڑپ کر ماں سے لپٹ گیا "سوری ممی سوری! آپ نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اب یہ نفرت انگیز نام میری ماں کی شرافت کے لیے لازمی ہو گیا ہے۔ آج میری سمجھ میں آگیا ہے کہ باپ کا نام میرے لیے ہی نہیں' میری ماں کی شرم و حیا کے لیے بھی نہایت ضروری ہے۔ سوری ممی سوری...!"

فرمان علی کے نام کے حوالے سے وہ ماں بیٹے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے اور جس نام کا حوالہ تھا' وہ نام والا زندہ رہ کر بھی ان کے لیے مُردہ تھا۔

○☆○

یونیورسٹی کا ماحول تعلیمی لحاظ سے تو بہتر ہوتا ہے لیکن رومانی لحاظ سے جوانوں کے لیے بہترین ہوتا ہے۔ طلبا اور طالبات میں کچھ پرانے ہوتے ہیں اور کچھ نئے سال کے موسمی پھل کی طرح حسین طالبات اور طلبا کے تر و تازہ چہرے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں ذہانت بھی ہوتی ہے۔ شرارت بھی ہوتی ہے۔ حسن بھی ہوتا ہے اور جوانی کا گرم خون بھی دوڑتا رہتا ہے۔

کامران نے وہاں کے ماحول کو بہت ہی رنگین اور دلچسپ پایا۔ کچھ لڑکیاں بہت ریزرو رہتی تھیں۔ کسی لڑکے سے بات تک کرنا

گوارا نہیں کرتی تھیں اور کچھ اتنی بے باک ہوتی تھیں کہ سب ہی لڑکوں سے بے تکلفی سے بولتی رہتی تھیں۔ کامران خوبصورت، قد آور اور بانکا جوان تھا۔ ایک لڑکی اس کے سامنے سے اکثر گزرتی ہوئی سرد آہیں بھرتی تھی۔ دوسری لڑکی اس کا راستہ روک کر کہتی تھی "ہائے ہینڈسم! کبھی تو نظریں اٹھا کر دیکھ لیا کرو۔"

وہ شرمانا تو نہیں تھا لیکن کتراتا ضرور تھا۔ کسی کے ساتھ اسکینڈل نہیں بنانا چاہتا تھا۔ لڑکے بھی اسے شریر تھے کہ ان سے بھی دور ہی رہتا تھا اور جو لڑکے ذہین اور سنجیدہ تھے، وہ بھی کامران کی طرح وقت پر یونیورسٹی آتے تھے۔ کلاسیں اٹینڈ کرتے تھے۔ درمیانی طویل وقفہ ہوتا تب بھی وقت ضائع نہیں کرتے تھے، وہاں کی لائبریری میں بیٹھ کر کتابیں پڑھتے تھے۔

تقریباً ایک ماہ بعد لائبریری کے ایک چپراسی نے چند لڑکوں کے پاس آکر پوچھا "آپ میں سے کامران صاحب کون ہیں؟"

وہ بولا "میرا نام کامران ہے، بات کیا ہے؟"

"آپ لائبریری کے فون بوتھ میں جائیں۔ آپ کی والدہ کا فون ہے۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر بوتھ میں آیا۔ ریسیور ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر کان سے لگا کر کہا "ہیلو ممی! کیا آپ ہیں؟"

اسے ماں کی آواز سنائی دی "ہاں بیٹے! میں بول رہی ہوں۔"

"خیریت تو ہے؟ آپ نے کیسے فون کیا؟"

"میں بالکل خیریت سے ہوں۔ تم سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا دن رات پڑھتے لکھتے ہی رہو گے۔ گھر میں آتے ہو تو کتابیں کھول کر بیٹھ جاتے ہو۔ یونیورسٹی میں پڑھنا لازمی ہے لیکن فرصت کے وقت لائبریری میں بیٹھنا ضروری نہیں ہے۔"

"تعجب ہے۔ آج پہلی بار آپ مجھے پڑھنے سے منع کر رہی ہیں۔"

"میں پڑھنے سے نہیں، زیادہ پڑھنے سے منع کر رہی ہوں۔ زندگی کی خوشیاں اور رونقیں کتابوں سے باہر ہوتی ہیں۔ کبھی اپنے آس پاس کے ماحول کی رنگینیوں اور خوبصورتیوں کو سمجھا کرو۔"

"جی میں سمجھا نہیں۔"

"اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے؟ کیا میرے لیے بہو نہیں لاؤ گے؟"

"جی؟" وہ حیرانی سے بولا "آپ فون پر بہو کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں؟"

"میں روبرو تم سے کہنا چاہتی تھی مگر جھجک محسوس ہوتی تھی۔ میں نے سوچا فون پر کہنا مناسب ہو گا۔"

"آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ بیٹے سے بہو کی بات کرتے ہوئے جھجکتی ہیں۔ اچھی بات ہے۔ میں گھر آکر اس سلسلے میں بات کروں گا۔"

"نہیں۔ میرے سامنے [illegible] ماں بیٹے کے درمیان کچھ پردہ رہنا چاہیے۔ یہ اخلاق اور تہذیب کا تقاضا ہے۔"

"آپ ہمیشہ اخلاق اور تہذیب کا درس دیتی ہیں۔ مجھے آپ جیسی ماں پر فخر ہے۔ بہرحال بہو تو ضرور لاؤں گا لیکن پہلے تعلیم مکمل ہو جائے۔"

"تعلیم تو زندگی بھر حاصل کی جاتی ہے لیکن پیار و محبت کی عمر گزر جائے تو پھر واپس نہیں آتی۔"

کامران نے بڑی حیرانی سے ریسیور کو دیکھا۔ اس کی ممی نے کبھی پیار و محبت جیسے الفاظ جوانی کے حوالے سے ادا نہیں کیے تھے۔ پہلی بار اس نے سن کر کہا "ممی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ ایسا اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اپنا گھر آباد نہیں کر سکی لہٰذا تمہارا گھر آباد کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے لڑکی بھی دیکھ لی ہے۔"

"ممی آپ کی خوشیوں کی خاطر گھر آباد کروں گا لیکن آپ نے لڑکی کہاں دیکھی ہے؟"

"تمہاری یونیورسٹی میں دیکھی ہے۔ وہاں داخلے کے وقت تمہارے ساتھ آئی تھی۔ تب ہی اسے دیکھا تھا پھر آج یونیورسٹی کے قریب سے گزر رہی تھی تو وہ پھر نظر آئی۔ ہائے میں اسے دیکھتی ہوں تو دل کھنچا جاتا ہے۔ آج وہ گلابی رنگ کے سوٹ میں ہے۔ اس کے گلے میں سیاہ چمکتے موتیوں کی ایک مالا ہے۔ اس نے شانے سے جو ہینڈ بیگ لٹکا رکھا ہے، وہ بھی سیاہ ہے۔ تم نے تو اسے ضرور دیکھا ہو گا؟"

"آپ جانتی ہیں ممی! میں ادھر ادھر نہیں دیکھتا۔ اپنے راستے چلتا ہوں۔ یہ بھی آپ کی ہدایت ہے کہ شریف لڑکے پرائی لڑکیوں کو نہیں دیکھتے ہیں۔"

"لیکن شریف بچے اسے ضرور دیکھتے ہیں جسے ماں اپنی بہو بنانا چاہتی ہے۔ میں چاہتی ہوں، آج تم اسے دیکھ لو۔ یوں بھی شادی سے پہلے ایک دوسرے کے مزاج کو ضرور سمجھ لینا چاہیے۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں ابھی لائبریری سے نکل کر اسے تلاش کروں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ یونیورسٹی کے باہر ایک فون بوتھ کے اندر دو لڑکیاں تھیں۔ ایک حسین لڑکی نے ریسیور رکھ کر دوسری لڑکی کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "بازی ماری۔ چل نکال ایک سو روپے، بڑی آئی کہتی تھی کہ وہ نظر اٹھا کر مجھے نہیں دیکھے گا۔ اب وہ مجھے تلاش کرنے آ رہا ہے۔"

سہیلی نے پرس کھول کر سو کا ایک نوٹ نکالتے ہوئے کہا "رومانہ تو شیطان کی خالہ ہے۔ یہ لے سو روپے۔ تعجب ہے تو آوازیں کس طرح بدل کر بولنے لگتی ہے؟ کیا واقعی اس کی ماں کی

آوازیں بول سکتی ہو؟"

"اس کی ماں کی آواز میں نہ بولتی تو وہ میرے چکر میں کبھی نہیں آتا۔ اس چکر کو پابندی کرنے کے لیے میں نے سب سے پہلے اس کے گھر کا پتا معلوم کیا۔ وہاں اس کی ممی کو دیکھا۔ وہ اپنے مکان کے دروازے پر تالا لگا کر بازار سے سودا لانے جا رہی تھیں۔ میں ان کا تعاقب کرتی رہی۔ بڑی دیر تک بازار میں گھومتے رہنے کے بعد انہوں نے گھر کی ضرورت کا اتنا سامان خرید لیا کہ وہ بڑے تھیلے بھر گئے۔ وہ انہیں بڑی مشکلوں سے اٹھا کر چل رہی تھیں۔ میں نے کہا "ماں جی! آپ ایک تھیلا مجھے دیں۔ میں آپ کے گھر پہنچا دوں گی۔"

پہلے تو خاتون نے رسماً انکار کیا پھر میں نے ان کا آدھا بوجھ کم کر دیا۔ ایک تھیلا اٹھا کر ان سے گفتگو کرتی ہوئی انہیں گھر تک پہنچا دیا۔ اس طرح ان کی آواز، بولنے کے انداز کی نقل دل ہی دل میں کرتی رہی اور اب تم نے دیکھ ہی لیا کہ میں نے فون پر اسے کیسا پکڑ لیا ہے۔"

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی یونیورسٹی کے احاطے میں آئیں پھر ایک درخت کے سائے میں بنی ہوئی سیمنٹ کی بینچ پر بیٹھ گئیں۔ چند منٹ کے بعد ہی یونیورسٹی کے برآمدے پر کامران نظر آیا۔ رومانہ کی سہیلی رشیدہ نے کہا "ارے وہ دیکھ، وہ ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ ذرا اس کی بے چینی تو دیکھ۔"

رومانہ نے کہا "مجھے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ خود ہی کچے دھاگے سے بندھا چلا آئے گا۔"

واقعی وہ ان کی طرف آ رہا تھا۔ مگر کچھ جھجک رہا تھا۔ آس پاس یوں دیکھ رہا تھا جیسے سب کی نظریں بچا کر چوری کرنے آ رہا ہو۔ رومانہ نے آہستگی سے کہا "دیکھ رشیدہ! ہنسی اور مسکراہٹ کو ضبط کرنا۔ ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ ہمیں اسے نظر انداز کر کے سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہیے۔"

کامران ایک لمبا چکر کاٹ کر ان کے پیچھے درخت کے پاس آیا اور گلابی سوٹ والی کو دیکھنے لگا۔ گلے میں سیاہ چمکتے ہوئے موتیوں کی مالا ہو گی لیکن سامنے آکر دیکھنے سے وہ مالا نظر آسکتی تھی۔

رومانہ نے کہا "رشیدہ! اگر تم سے کہا جائے کہ کسی کو پیچھے سے دیکھ کر پہچانو تو کیا تم اسے شناخت کر سکتی ہو؟"

"پیچھے سے چہرہ نظر نہیں آتا۔ بھلا شناخت کیسے ہو سکتی ہے؟"

"سنا ہے کہ دل کی آنکھوں سے دیکھو تو پیچھے سے ہی نہیں، تاریکی میں بھی اپنوں کو پہچان لیا جاتا ہے۔"

کامران جھجکتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے رومانہ کے سامنے اس انداز میں آیا جیسے کینٹین کی طرف جا رہا ہو پھر اس نے جان بوجھ کر اپنی ایک کتاب اور کاپیاں گرا دیں۔ رومانہ کو قریب سے ایک نظر دیکھنے کی یہی تدبیر سوجھی تھی۔ اکڑوں بیٹھ کر اس نے

کتاب اور کاپیاں اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ انجان بن کر سیاہ چمکتے ہوئے موتیوں کی مالا سے کھیل رہی تھی۔ ظاہر کر رہی تھی کہ کسی سوچ میں گم ہے۔

کامران اسے ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا مگر جب اس نے دیکھا تو دل نے کہا اسے دیکھتا ہی رہے لیکن اس معاملے میں وہ بزدل تھا۔ اسے دیکھتے رہنے کی خواہش پر عمل نہ کر سکا۔ فوراً ہی کتاب اور کاپیاں اٹھا کر تیزی سے چلتا ہوا ان سے دور ہوتا چلا گیا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ اس سے جتنی دور ہوتا جا رہا ہے، دل اتنا ہی اس کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔

دور ہونے کے دوران اس نے رومانہ اور رشیدہ کے قہقہے سنے۔ اس نے یہی سمجھا کہ لڑکیاں کسی لطیفے پر بے تحاشا ہنس رہی ہیں۔ وہ دوپہر کو گھر آیا تو آتے ہی ماں سے لپٹ گیا۔ اسما نے پوچھا "کیا بات ہے؟ آج بہت خوش ہو؟"

"خوشی ایسی ہے کہ بتائی نہیں جا سکتی، پھر وہ بتانے والی نہیں، گھر میں لانے والی خوشی ہے۔ اب تو آپ سمجھ گئی ہیں ناں؟"

اسما نے کچھ سوچا پھر مسکرا کر کہا "گھر میں لانے والی خوشی کا اشارہ دے رہے ہو۔ اس لیے بات کچھ سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"تو بس آپ سمجھتی رہیں اور فوراً میرے لیے کھانا لے آئیں۔ آج تو بھوک کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہے۔"

وہ ماں سے الگ ہو کر گنگناتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اسما کچھ حیران تھی اور حیران ہونے سے زیادہ خوش تھی۔ اگرچہ بیٹے نے وضاحت نہیں کی تھی مگر اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ جوان بیٹے کی خوشی کا انداز ایک بہو کی آمد کی پیش گوئی کر رہا ہے۔

کامران ایک میز پر کتاب اور کاپیاں رکھ کر بستر پر چاروں شانے چت لیٹ گیا۔ چھت کو مسکراتے ہوئے تکنے لگا۔ وہاں رومانہ کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ ماں بیٹے کی پسند ایک ہے لیکن یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ وہ حسین لڑکی بھی اسے پسند کرے گی یا نہیں؟ اس کے گھر دلہن بن کر آئے گی یا نہیں؟

وہ کوئی تدبیر سوچ رہا تھا کہ حسینہ کے دل کی بات معلوم کی جائے لیکن اس نے کبھی کسی سے عشق کرنے کے متعلق پہلے کبھی سوچا نہیں تھا۔ اس معاملے میں اناڑی تھا۔ اس لیے کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

دوسرے دن رومانہ اپنی کار میں بیٹھی دور سے کامران کے مکان کو دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ کامران کتابیں اور کاپیاں لے کر نکل رہا تھا۔ اسما نے مسکرا کر اسے رخصت کیا پھر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ کامران بس اسٹینڈ کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو رومانہ نے کار سے باہر آکر اسے لاک کیا پھر کامران کے دروازے پر آکر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا۔ اسما نے اسے دیکھتے ہی خوش ہو کر کہا "ارے بیٹی! تم ہو؟"

"تو اندر آجاؤ۔"

وہ مکان میں داخل ہوتی ہوئی بولی "ادھر سے گزر رہی تھی۔ مجھے زور کی پیاس لگی تو سوچا آپ کے پاس پانی مل جائے گا۔"

"بیٹی! تم پانی مانگ رہی ہو میں تمہیں ٹھنڈا ٹھنڈا شربت پلاؤں گی۔"

"ہاں جی! میرا اندازہ ہے کہ آج آپ کچھ زیادہ ہی خوش ہیں۔"

وہ دوسرے کمرے میں شربت تیار کرتی ہوئی بولی "تمہارا اندازہ درست ہے۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد میرے گھر میں بہو آئے گی۔"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ بہو آپ نے پسند کی ہے یا آپ کے صاحب زادے نے؟"

"ارے بیٹی! کیا بتاؤں' میرا بیٹا بڑا شرمیلا ہے ابھی اس نے کھل کر کسی لڑکی کے بارے میں نہیں بتایا ہے۔ بس اشارے میں سمجھا دیا ہے کہ اسے کوئی پسند آگئی ہے۔"

وہ ایک ٹرے میں شربت لے کر آئی۔ رومانہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے شربت سے بھرا ہوا گلاس اٹھایا پھر کہا "ابھی آپ کی خوشی ادھوری ہے اس لیے شربت پی رہی ہوں۔ خوشی پوری ہوجائے گی تو مٹھائی کھانے آؤں گی۔"

اسما نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "خدا تمہیں خوش رکھے۔ مٹھائی ضرور کھلاؤں گی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ بیٹے کی پسند بالکل ایسی ہی ہو جیسی تم ہو۔"

شربت پیتے پیتے اچانک پھندا لگا۔ وہ کھانسنے لگی۔ دل کی بات اچانک کہہ دی جائے تو کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

کامران یونیورسٹی کی بس میں جایا کرتا تھا۔ اس لیے رومانہ اس سے پہلے یونیورسٹی پہنچ گئی۔ وہاں وہ مختلف کلاسیں جاری رہنے کے دوران ان دونوں نے دور ہی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کامران تیسری کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد لائبریری کی طرف جارہا تھا۔ ایسے وقت اس نے رومانہ کو دیکھا۔ وہ پارکنگ ایریا میں اپنی کار کی اسٹیئرنگ سیٹ کا دروازہ کھولے بیٹھی تھی۔ کامران ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہوگیا' سوچنے لگا کیا یہ آج وقت سے پہلے جارہی ہے؟

لیکن وہ نہیں جارہی تھی۔ کامران نے اُسی چپراسی کو دیکھا جس نے کل...... اسے لائبریری میں آکر اطلاع دی تھی کہ اس کی ممی فون پر بلا رہی ہیں۔ وہی چپراسی رومانہ کی کار کے قریب جاکر اسے سلام کررہا تھا۔ رومانہ نے اپنا پرس کھول کر اس میں سے دس دس کے پانچ نوٹ نکال کر دیے' اسے کوئی بات سمجھاتی رہی پھر وہ چپراسی اسے سلام کرکے واپس جانے لگا۔

کامران سوچ میں پڑ گیا۔ آہستہ آہستہ لائبریری کی طرف جانے

[illegible]

اسے یوں دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو کہ معاملہ کیا ہے؟ جس چپراسی نے آکر اسے اطلاع دی تھی' اسے رومانہ روپے کیوں دے رہی تھی؟

اس نے بوتھ میں آکر اپنے ایک پڑوسی سے رابطہ کیا پھر اس سے کہا "میں کامران بول رہا ہوں' آپ کو زحمت ہوگی۔ پلیز میری امی کو فون پر بلادیں۔"

"بیٹے! زحمت کیسی' میں ابھی بلاتا ہوں۔"

اس نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر ماں کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو کامران بیٹے! کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟"

"جی ہاں۔ پریشانی کی بات نہیں ہے۔ صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے کل مجھے یہاں فون کیا تھا؟"

"نہیں بیٹے! اگر فون کرتی تو کل تمہارے گھر آنے پر ضرور ذکر کرتی۔ ویسے یہ فون کا معاملہ کیا ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے ممی! یہ یونیورسٹی ہے۔ یہاں لڑکے یونہی شرارتیں کیا کرتے ہیں۔ میں نے آپ کو خواہ مخواہ پڑوس میں آنے کی زحمت دی۔ اچھا خدا حافظ۔"

وہ بوتھ سے باہر آگیا پھر لائبریری کے اندر آکر اپنی پسند کی کتاب ایک ریک میں تلاش کرنے لگا۔ آج پڑھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کس نے ماں بن کر اسے کل دھوکا دیا تھا؟

کتاب تلاش کرنے کے دوران پھر وہی چپراسی آگیا۔ اس نے سلام کرکے کہا "کامران صاحب! آپ کی والدہ کا فون ہے۔"

وہ چپراسی کا شکریہ ادا کرکے فون بوتھ میں آیا۔ ریسیور الگ رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے کان سے لگا کر کہا "ہیلو ممی! آج آپ نے پھر فون کیا ہے؟"

دوسری طرف سے رومانہ نے اسما کی آواز میں کہا "ہاں۔ کل تمہاری خوشی سے یہ معلوم ہوگیا کہ میں نے جس لڑکی کو پسند کیا ہے' اسے تم نے بھی پسند کیا ہے لیکن تم نے لڑکی کا نام نہیں بتایا؟"

"نام کیا چیز ہے ممی! آج میں اس کے باپ دادا کی پوری ہسٹری معلوم کرکے بتادوں گا۔"

"کیا وہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے؟"

"یہ ابھی معلوم نہیں ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے پسند کا اظہار اس کی طرف سے ہو۔"

"بیٹے! تم بہت نادان ہو۔ بھلا کوئی لڑکی اپنی زبان سے ایسا کہہ سکتی ہے۔ شرمیلی اور شریف زادیاں دل کی بات اپنے دل میں ہی رکھتی ہیں۔"

"ہاں۔ مگر یہ موجودہ دور کی یونیورسٹی ہے۔ یہاں کے ماحول میں لڑکیاں شرماتے ہوئے بھی دل کی باتیں کہنے کا راستہ نکال لیتی ہیں! اگر وہ ایک کاغذ پر اتنا ہی لکھ دے کہ کامران علی! میں تمہاری

[illegible]

وہ کاغذ اپنی کسی سہیلی کے ذریعے کسی طرح مجھ تک پہنچا دے تو پھر تمام پردے اٹھ جائیں گے۔ میں اس کا ہاتھ تھام کر اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔"

"اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو؟"

"تو ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ آپ کو ایک بہو کی ضرورت ہے اور میری نظروں میں ایک حسین لڑکی ہے۔ اگر یہ لڑکی تحریری طور پر ایسا نہیں کرے گی' جیسا میں چاہتا ہوں تو میں وہ دوسری لڑکی آپ کو دکھاؤں گا آپ اسے ضرور پسند کریں گی۔ اچھا خدا حافظ کلاس کا وقت ہورہا ہے۔"

اس نے فون بند کردیا۔ رومانہ اپنے ساتھ موبائل فون لائی تھی اور اپنی کار میں بیٹھ کر اس فون کے ذریعے گفتگو کررہی تھی۔ اس نے بھی فون بند کردیا اور سوچ میں پڑ گئی۔ کامران نے پتا نہیں کس لڑکی کو پسند کے دوسرے نمبر پر رکھا ہے اگر میں نے محبت کا تحریری اعتراف نہ کیا تو پہلے نمبر پر نہیں رہوں گی۔ وہ دوسرے نمبر والی میری جگہ پہلے نمبر پر آجائے گی۔

وہ اس مسئلے پر تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے ایک کاغذ پر اپنی محبت کا اظہار کیا۔ ویسے وہ نہیں چاہتی تھی کہ تحریری اعتراف ہو۔ اس لیے پہلے اپنی سہیلی رشیدہ کے پاس آئی اور بولی "پلیز میرا ایک کام کرو۔ کامران کے پاس جاکر میرے دل کی بات کہہ دو۔ میں اسے چاہتی ہوں۔ جب سے اسے دیکھا ہے' یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ آئندہ تمام عمر اسی کے نام سے پہچانی جاؤں گی۔"

رشیدہ نے کہا "محبت تم کرتی ہو اور اظہار میں کروں؟ کیا تمہیں خود کہتے ہوئے شرم آتی ہے؟"

"جب تمہیں کسی سے محبت ہوگی تب سمجھوگی کہ محبوب کے روبرو دل کی بات کہی نہیں جاتی۔"

"کہی نہیں جاتی۔ لکھی تو جاسکتی ہے۔ تم یہی باتیں لکھ کر دے دو۔ میں کبوتری بن کر پیار کی چٹھی پہنچادوں گی۔"

رومانہ نے ایک تہ کیا ہوا کاغذ اسے دیتے ہوئے کہا "میں نے پہلے لکھ رکھا ہے۔ لیکن تم زبانی ہی کہہ سکو تو بہتر ہے ورنہ یہ خط دے دینا۔"

رشیدہ نے وہ خط لیا پھر کامران کے پاس آکر پوچھا "میں تم سے کچھ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ کیا تم میری سہیلی رومانہ کو چاہتے ہو؟"

"میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے' تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔"

"تو پھر سمجھ لو۔ دونوں ہاتھ تالیاں بجارہے ہیں۔ وہ بھی تمہیں دل و جان سے چاہتی ہے۔"

"میں کیسے یقین کرلوں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لڑکے اور لڑکیوں کا اسکینڈل عام ہوتا رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے تم بھی ہمارا اسکینڈل بنارہی ہو۔"

"تم مجھے الزام دے رہے ہو؟"

"تو پھر الزام سے بچو اور اپنی سہیلی کے بارے میں جو کہہ رہی ہو اس کا ثبوت دو۔"

"اچھا ہوا کہ میں اس کا خط لے آئی۔ ورنہ تم مجھے اسکینڈل بنانے والی لڑکی سمجھتے۔ یہ لو' یہ ہے اس دیوانی کا خط دیوانے کے نام۔"

وہ خط دے کر چلی گئی۔ کامران نے اسے کھول کر پڑھا پھر مسکرایا۔ اسے محبت کے جواب میں محبت بھرا خط لکھنا چاہیے تھا! اس سے ملاقات کرنا چاہیے تھا لیکن وہ رومانہ کی نظروں میں آئے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

وہ محبت کا اظہار کرچکی تھی۔ اس لیے جواب کا بے چینی سے انتظار کررہی تھی۔ جب پتا چلا کہ کامران جاچکا ہے تو اسے مایوسی ہوئی۔ اس نے سوچا دوسرے دن پھر سیل فون کو محبت کا ذریعہ بنائے گی لیکن دوسرے دن یونیورسٹی کے احاطے میں داخل ہوتے ہی اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اس نے جو خط کامران کو لکھا تھا۔ اس کی بے شمار فوٹو اسٹیٹ کاپیاں نظر آئیں۔ ان میں بہت سی دیواروں پر چپکی ہوئی تھیں اور کئی کاپیاں مختلف اسٹوڈنٹس کے ہاتھوں میں نظر آرہی تھیں۔ ہر طرف اس کے محبت نامے کے چرچے تھے۔ رشیدہ نے ایک محبت نامہ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔ اس نے نام دینے سے پہلے تمہیں بدنام کیا ہے۔"

رومانہ گم صم سی تھی۔ اس کی محبت ایک مذاق بن گئی تھی۔ اب وہ اس ماحول میں زیادہ دیر ٹھہر کر اپنا مذاق اُڑتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے کار کو تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

کامران دیکھ رہا تھا کہ محبت کیسے مذاق بن رہی ہے؟ ایک چاہنے والی نے دل کی بات کاغذ پر لکھ دی تھی اور وہ تحریر جیسے ایک جرم بن گئی تھی۔ نکاح نامہ بھی ایک کاغذ ہے۔ اس پر لڑکی اپنی رضامندی لکھے تو ساری دنیا کے لیے قابل قبول ہے۔ محبت نامہ بھی ایک کاغذ ہے اس پر رضامندی لکھی جائے تو وہ مذاق ہے یا پھر جرم ہے۔ کیا عجب تماشا ہے۔ ایک مضبوط اور ناقابل انکار نکاح نامہ تین بار طلاق دینے سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ہے لیکن محبت نامہ دل کے خون سے لکھا جاتا ہے۔ اسے دل والے کبھی مٹنے نہیں دیتے۔ پائیداری کس میں ہے؟ نکاح نامے میں یا محبت نامے میں؟

کامران نے دوپہر کو گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ ماں نے دروازہ کھولا۔ اسے گھور کر دیکھا پھر منہ پھیر کر چلی گئی۔ اس نے اندر آکر دروازے کو بند کیا پھر آواز دی "ممی! آپ کہاں ہیں؟ آپ دروازہ کھولتے ہی مجھے دیکھ کر مسکراتی ہیں۔ آج آپ کے تیور بدلے ہوئے ہیں۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ صرف یونیورسٹی۔"

وہ بولتے بولتے دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر ٹھٹک

بیدار بخت اپنے سیاست دانوں کی حکومت میں فرحان علی کے
خلاف کچھ نہ کرسکا۔ جب دوسری حکومت آئی تو وہ ملک سے فرار
ہوگیا۔ کیونکہ پھر قانون کی صورت بدل سکتی تھی اور وہ پھر مجرم قرار
دیا جاسکتا تھا۔

انتقام پورا نہ ہو تو اندر ہی اندر آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ اس
کے اندر بھی پندرہ برس سے آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ پھر پاکستان
آیا تھا۔ پتا چلا کہ فرحان علی ٹرانسفر ہوکر لاہور چلا گیا ہے۔
بیدار بخت بھی لاہور آگیا۔ اس نے داڑھی مونچھیں بڑھالی تھیں۔
بالوں میں سفیدی کے باعث کوئی معتبر بزرگ لگتا تھا۔ بہت غور سے
اسے دیکھا جائے تو وہ پہچانا جاتا تھا۔ ورنہ لباس کے اندر ریوالور
اور ہاتھ میں تسبیح لے کر اللہ اللہ کرتا رہتا تھا۔

پندرہ برس کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔ فرحان علی اپنی بیوی اسما اور
بیٹے کامران کو تلاش کرتے کرتے مایوس ہوگیا تھا۔ یہ وقت نے بتایا
کہ مایوسی کفر ہوتی ہے۔ اپنے ایمانی جذبوں اور محبت کے رشتوں پر
یقین رکھا جائے تو کفر ایمان والوں سے دور رہتا ہے۔ اس نے ایک
دن اسما کو انارکلی چوک میں دیکھ لیا۔ اپنی گاڑی روک کر ماتحتوں
سے انتظار کرنے کے لیے کہا پھر تیزی سے چلتا ہوا اس کے سامنے
پہنچ گیا۔

وہ ایک دم سے چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ حیرانی سے اور گم شدہ
محبت کے تقاضوں سے اسے دیکھنے لگی۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ پندرہ
برس کے بعد اپنے ظالم محبوب کو دیکھ رہی ہے۔ فرحان نے بڑی
محبت سے کہا "اسما!"

اسے یکبارگی احساس ہوا کہ ایک نامحرم اس کا نام لے رہا
ہے۔ وہ دوسری طرف منہ پھیر کر بولی "آپ کو میرا نام لینے کا کوئی
حق نہیں ہے۔ ہمارا کوئی رشتہ نہیں رہا۔ پلیز چلے جائیں۔"

وہ بولا "ہمارا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ مجھے
صفائی کا موقع دو۔ میں نے تمہاری اور کامران کی سلامتی کے
لیے..."

وہ سخت لہجے میں بولی "اب کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں رہی
ہے۔ آپ ایک غیر عورت کو راہ چلتے نہ روکیں۔ ورنہ میں اونچی
آواز میں بولوں گی تو یہاں مجمع لگ جائے گا۔ کیا آپ کا دل نہیں
بھرا۔ یہاں مجھے تماشا بنانا چاہتے ہیں؟"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ایک دکان میں چلی گئی۔ فرحان کو
احساس ہوا کہ وہ غلطی کررہا ہے۔ یوں سرِعام اسما کو اپنی محبت اور
خلوص کا یقین نہیں دلا سکے گا۔ وہ پلٹ کر اپنی گاڑی کے پاس آیا پھر
اپنے ایک خاص ماتحت سے بولا "کیا تم نے اس خاتون کو دیکھا
ہے، جس سے میں باتیں کررہا تھا؟"

"یس سر! وہ خاتون سامنے والی دکان میں گئی ہیں۔"

"تم بڑی رازداری سے ان کا تعاقب کرو۔ یہ معلوم کرو کہ وہ
کہاں رہتی ہیں۔ مجھے ان کا مکمل پتا چاہیے۔"

"یس سر!" ماتحت اسے سلیوٹ کرکے چلا گیا۔ فرحان علی گاڑی
میں آکر بیٹھ گیا۔ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اسما کو چھوڑ کر جائے
لیکن وہ اسے دوبارہ دیکھ لیتی تو اس سے چھپنے کی کوشش کرتی پھر
چھپنے والی کو تلاش کرنا مشکل ہوجاتا۔ لہٰذا فی الوقت فرحان علی کا
اس سے بچھڑنا مناسب تھا۔

شام ہوگئی۔ بیدار بخت کے ایک کارندے نے رپورٹ دی کہ
فرحان علی سادہ لباس میں ہے اور لوہاری گیٹ کی ایک گلی سے گزر
رہا ہے۔ بیدار بخت نے کہا "اس کا تعاقب کرو اور معلوم کرو کہ وہ
وہاں کیا کرتا پھر رہا ہے۔ مجھے اس موبائل پر اطلاع دیتے رہو۔"

وہ فرحان علی کو اس طرح ہلاک نہیں کرسکتا تھا کہ اس پر قتل کا
شبہ ہوتا۔ وہ اس تاک میں تھا کہ کسی طرح اسے حادثاتی موت سے
دوچار کرے۔

اسما باہر سے تھک کر آئی تھی۔ مغرب کی اذان سنتے ہی اس
نے سوئچ کے بٹن دبا کر کمروں میں روشنی کی پھر وضو کرنے کے
لیے سامنے والے کمرے میں آئی تو اس کمرے کے دروازے پر
فرحان کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

وہ بولا "میری محبت اور نیک نیتی کو سمجھو۔ دیکھو میں تمہیں
تلاش کرتا ہوا یہاں تک آپہنچا ہوں۔"

"آپ کے یہاں آنے سے محبت نہیں دشمنی ظاہر ہورہی
ہے۔ آپ مجھے بدنام کرنے آئے ہیں۔ محلے والوں نے آپ کو ایک
مطلقہ عورت کے گھر میں داخل ہوتے دیکھا ہوگا۔"

"تم مطلقہ نہیں ہو۔ میں نے تمہیں طلاق نہیں دی ہے۔ تم

کتاب

"کیا تم نے میری دی ہوئی کتاب
"بیوی پر قابو پانے کے طریقے" سے کچھ
فائدہ اٹھایا؟" ایک دوست نے پوچھا۔

"نہیں، مجھے افسوس ہے کہ میں اس
کتاب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاسکا۔"
دوسرے دوست نے جواب دیا۔

"کیوں؟" پہلے نے حیرت سے اس
کی طرف دیکھا۔

"کیونکہ میری بیوی پہلی ہی "شوہر پر
کیسے قابو پایا جاتے" نامی کتاب پڑھ چکی
ہے۔"

گیا۔ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس دوسرے کمرے میں روشانہ بستر کے
سرے پر بیٹھی ہوئی تھی اور اسما اس کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ ان
کے سامنے فرش پر محبت نامے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی نظر آرہی تھی۔

اس نے روشانہ کو دیکھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھوں
سے پتا چلتا تھا کہ روتے روتے ابھی چپ ہوئی ہے۔ اسما نے کہا "یہ
وہی لڑکی ہے جو بازار سے میرا آدھا بوجھ اٹھاکر گھر تک لائی تھی۔
میں نہیں جانتی تھی کہ یہ تمہیں کب سے چاہتی ہے اور اس نے
کس طرح فون پر آواز بدل کر شرارت کے ذریعے تمہیں اپنی طرف
مائل کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ ابھی اس نے مجھے سب کچھ بتادیا
ہے۔ کیا تمہیں احساس ہے کہ تم نے ایک محبت کرنے والی لڑکی کو
کس طرح بدنام کرنے کی نفرت انگیز حرکت کی ہے؟ تمہیں اس
سے کیا دشمنی تھی؟ اور ایسی دشمنی کرکے تم نے کیا حاصل کیا
ہے؟"

کامران نے کہا "اگر میں محبت نامے کے جواب میں نفرت
نامہ لکھ کر اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں تقسیم کرتا تو یہ دشمنی ہوتی۔
میں نے تو اپنی اور روشانہ کی محبت کا اعلان کیا ہے۔ کیا محبت جرم
ہے؟ اگر نہیں ہے تو پھر جگہ جگہ اس کا اعلان کرنا جرم کیسے ہوسکتا
ہے؟ کیا آپ قائل کرسکتی ہیں کہ میں نے روشانہ سے دشمنی کی
ہے؟"

"ہاں۔ ہمارے معاشرے میں سماجی قوانین کے مطابق
شریف زادیاں نکاح سے پہلے محبت کرتی ہیں اور اس محبت کا چرچا
ہوتا ہے تو صرف لڑکیاں ہی نہیں اس کا پورا خاندان بدنام ہوجاتا
ہے۔"

"اگر نکاح سے پہلے محبت کی جائے تو بدنامی ہوتی ہے اور نکاح
کے بعد کسی ثبوت کے بغیر بدنام کرکے طلاق دی جائے تو کیا ہوتا
ہے؟"

اسما نے چونک کر صدمے سے بیٹے کو دیکھا۔ وہ بولا "کیا ایک
مطلقہ عورت اور اس کا بیٹا اسی طرح بدنام نہیں ہیں، جس طرح آج
روشانہ بدنام ہورہی ہے۔ اسے یا تو ہماری طرح آج سے گمنام زندگی
گزارنا ہوگا یا پوری یونیورسٹی میں گردن اٹھاکر فخر سے کہنا ہوگا کہ ہاں
محبت کی ہے اور محبت جرم نہیں ہے۔"

"تم اپنے طور پر درست کہہ رہے ہو لیکن جو ظلم تمہارے
باپ نے مجھ پر کیا۔ وہ ظلم تم نے روشانہ پر کیوں کیا ہے؟"

"میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ روشانہ کے پیار میں کتنی پختگی ہے۔
جب اس کے والدین کو اور اس کے تمام رشتے داروں کو معلوم
ہوگا کہ یہ ایک مطلقہ عورت کے بیٹے سے محبت کرتی ہے تو اس کا
ردِعمل کیا ہوگا؟ کیا اس کے خاندان والے اس کی محبت کو اور ہم
ماں بیٹے کے وجود کو برداشت کریں گے؟"

روشانہ نے سر اٹھاکر کہا "میں کسی کی پروا نہیں کرتی۔ میں نے
تمہیں اور ممی کو دل سے اپنایا ہے اور اب سمجھ میں آرہا ہے کہ تم
نے مجھے بدنام نہیں کیا ہے بلکہ ہم تینوں کے درمیان جو اپنائیت
ہے اس کا اعلان کیا ہے۔"

اسما نے روشانہ کے پاس بیٹھ کر اس کا سر اپنے سینے پر رکھ کر کہا
"ہم بہت بڑے امتحان سے گزرنے والے ہیں۔ طلاق دینے کی کئی
وجوہات ہوتی ہیں۔ مگر ہمارے سماج میں صرف یہی کہا جاتا ہے کہ
عورت بدچلن تھی۔ اس لیے شوہر نے اسے چھوڑ دیا۔ مجھ پر بھی یہ
داغ لگایا گیا ہے۔ کامران بھی قابلِ نفرت سمجھا جاتا ہے کہ ایک داغ
دار ماں کا بیٹا ہے اور بیٹی تم بھی یہی سمجھی جاؤگی کیونکہ میری بہو بننے
کے لیے دنیا والوں سے لڑائی شروع کررہی ہو۔"

"وہ تو شروع ہوچکی ہے۔ میں ایک بہت بڑے اسٹیج فنکار کی
بیٹی ہوں۔ آج کل ڈیڈی مختلف ممالک کے شہروں میں ثقافتی اور
تفریحی پروگرام پیش کررہے ہیں۔ وہ بہت فراخ دل ہیں۔ جب
واپس آئیں گے تو میری محبت کے فیصلے کو دل سے قبول کریں
گے۔"

○☆○

قوانین، وقت اور حالات کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔
اگر ایک حکومت میں قانون کسی کو مجرم قرار دیتا ہے تو اس حکومت
کے بدلتے ہی دوسری حکومت اس مجرم کو ایک معزز شہری ثابت
کرنے کے لیے قانون کا چہرہ بدلتی ہے پھر اس مجرم کو باعزت بری
کردیا جاتا ہے۔

بیدار بخت گرفتار ہونے کے دو برس بعد ہی رہا ہوگیا تھا۔
کیونکہ حکومت بدل گئی تھی۔ جو سیاست داں نئی حکومت میں
بااختیار بن گئے تھے، ان میں سے کچھ بیدار بخت کے احسان مند
تھے۔ اس نے کسی سیاسی امیدوار کو لاکھوں روپے اور کسی کو
کروڑوں روپے اسمبلی تک پہنچنے کے لیے دیے تھے۔ انہوں نے
اقتدار سنبھالتے ہی بیدار بخت کے کیس کا رُخ بدل دیا۔ وہ جو
سزائے موت پانے والا تھا، ایک نئی زندگی پاکر جیل سے باہر آزاد
دنیا کی کھلی فضاؤں میں آگیا۔

رہائی کے بعد اس کی سب سے پہلی خواہش یہی تھی کہ فرحان
علی کو موت کے گھاٹ اتارے لیکن ایسا کرنا اتنا آسان نہیں رہا تھا
جتنا کہ وہ سمجھ رہا تھا۔ پتا چلا کہ وہ انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ کے ایک
خفیہ شعبے کا چیف افسر ہے۔ اس شعبے کے ڈائریکٹر جنرل اور
دوسرے اعلیٰ افسران نے برسرِاقتدار سیاسی پارٹی کے لیڈر سے یہ
کہہ دیا تھا کہ فرحان علی کا سروس ریکارڈ بے داغ ہے اور اعلیٰ
کارکردگی سے بھرپور ہے۔ بیدار بخت کو سمجھا دیا جائے کہ وہ کوئی
انتقامی کارروائی کرے گا تو پورا ڈپارٹمنٹ حکومت کے خلاف سراپا
احتجاج بن جائے گا۔

کوئی بھی حکومت ہو، وہ عوام سے دھاندلی کرسکتی ہے لیکن
فوج، انٹیلی جنس اور پولیس ڈپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسران کے خلاف
کوئی کارروائی کرنے سے پہلے سہم سہم کر اتنا سوچتی ہے کہ سوچتے

آج بھی میری شریکِ حیات ہو۔"

"خدا کے لیے باتیں نہ بنائیں۔ میرے منہ پر مجھے طلاق دے کر مجھ سے ہی جھوٹ نہ کہیں کہ آپ نے مجھے طلاق جیسی گالی نہیں دی ہے۔"

"میں ابھی ثابت کروں گا کہ تم نے جو کچھ سُنا اور دیکھا وہ محض ایک فریب تھا۔ تمہاری اور کامران کی زندگی خطرے میں تھی۔ میں نے تم دونوں کی حفاظت کے لیے ایک چال چلی تھی۔"

"مذہب کے معاملات میں نہ کوئی چال چلی جا سکتی ہے اور نہ کسی چالاکی سے ہیرا پھیری کی جا سکتی ہے۔"

"میں نے دینی معاملات میں کوئی چالاکی نہیں دکھائی ہے۔ میری چالاکی یا مجبوری یہ تھی کہ میں تمہیں اپنے سراغ رساں ہونے کی حقیقت نہیں بتا سکتا تھا۔ سرکاری فرائض کی ادائیگی لازمی تھی۔ ہم اپنے فرائض بیوی بچوں سے بھی چھپاتے ہیں۔ آج مجبور ہو کر ظاہر کر رہا ہوں کہ میں انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ کا چیف افسر ہوں۔ یہ بات میں پہلے بتاتا اور یہ کہہ دیتا کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لیے تمہیں مطلقہ ظاہر کر رہا ہوں تو تم خود کو اور کامران کو مجھ سے دور نہ کرتیں۔ اگر دور بھی رہتیں تو مجھ سے چھپ کر ملنا چاہتیں اور یہ بات دشمن تک پہنچ جاتی۔"

"آپ جتنی بھی لمبی کہانی سنائیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ آپ مجھے طلاق دے چکے ہیں۔"

فرحان نے پوچھا "کیا منہ بند ہو تو طلاق کا لفظ ادا ہو سکتا ہے؟ جس وقت تم نے تین بار طلاق کے الفاظ سنے، اس وقت میرا چہرہ کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف تھا۔ تم نے اپنی آنکھوں سے میرے ہونٹوں کو ہلتے ہوئے اور زبان کو بولتے ہوئے نہیں سنا تھا۔"

"آپ کیسی بیگانہ باتیں کر رہے ہیں؟ اگر آپ کا منہ بند تھا تو پھر طلاق کے الفاظ کیسے گونج رہے تھے؟"

"ایسے۔ یہ دیکھو، میں تمہارے سامنے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بند کر رہا ہوں۔ اس کے باوجود تم مجھے بولتے ہوئے سنو گی۔"

اس نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بند کر لیا پھر اسما نے حیرانی سے اس کے بند منہ کو دیکھا اور سُنا بھی، وہ کہہ رہا تھا "آج میں نے اپنی آنکھوں سے تمہاری بے حیائی دیکھی ہے اس لیے پورے ہوش و حواس میں رہ کر تمہیں طلاق دے رہا ہوں، میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔"

فرحان علی کی آواز آ رہی تھی مگر اس کے ہونٹ سختی سے بند تھے۔ یہ ناممکن سی بات تھی کہ منہ بند ہو اور آدمی بولتا رہے۔

لیکن ایسا ہو رہا تھا۔ اب بھی فرحان کا منہ سختی سے بند تھا اور آواز آ رہی تھی۔ فرحان کی آواز کہہ رہی تھی "اسما! اکثر آنکھوں سے دیکھی ہوئی اور کانوں سے سُنی ہوئی باتیں غلط ہوتی ہیں، جھوٹ ہوتی ہیں۔ اب میں آپ کو اسما نہیں 'بھابی' کہوں گا کیونکہ میں فرحان نہیں فرحان کا دوست ہوں۔ میرا نام امجد تارا ہے اور میں فرحان

دروازے کی آڑ سے امجد تارا سامنے آیا۔ اسی طرح فرحان کی آواز میں بولا "بھابی! میں مختلف آوازوں کی نقالی کرتا ہوں۔ پندرہ برس پہلے جب آپ طلاق کے الفاظ سن رہی تھیں تو میرا دوست کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس ہونٹوں کو سختی سے بند کیے کھڑا تھا اور میں کھڑکی کی آڑ سے آپ کے شوہر کی آواز میں طلاق دے رہا تھا۔ کیا ایک خیال کسی کے شوہر کی آواز میں طلاق دے تو کیا طلاق ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ آپ کسی بھی عالم دین سے رجوع کریں۔ میں آپ کے شوہر کی آواز میں نکاح قبول کروں تو وہ نکاح قبول ہوگا اور نہ میں شوہر کہلاؤں گا۔"

پھر فرحان کے ہونٹ متحرک ہوئے۔ اس نے پوچھا "کیوں اسما! تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی۔"

وہ حیرت اور مسرت سے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چھلک رہی تھیں۔ وہ بولی "میں تو کیا دنیا والے بھی یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ میں حلالہ کے قانون پر عمل کیے بغیر آپ کو پا سکتی ہوں۔ میرے لیے تو یہ معجزے سے کم نہیں ہے کہ میں مطلقہ کہلاتے ہوئے بھی مطلقہ نہیں بلکہ سہاگن کی زندگی اب تک گزارتی آئی ہوں۔"

تارا نے کہا "بھابی! آپ کو اچانک بہت بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔ کل صبح آؤں گا لیکن جانے سے پہلے کہہ دوں کہ آپ کی طرح آپ کے بیٹے نے بھی آواز کے سلسلے میں میری بیٹی سے دھوکا کھایا تھا۔ آپ سمجھ گئی ہوں گی۔ میں روحانہ کا باپ ہوں۔ بہتر ہے کل میں یہاں نہ آؤں۔ آپ دونوں تاریخ طے کرنے میرے غریب خانے پر تشریف لائیں۔ اچھا خدا حافظ۔"

وہ فرحان سے مصافحہ کر کے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی فرحان نے اسما کے ہاتھوں کو تھام لیا پھر کہا "میں نے اس خطرناک دشمن کو گرفتار کرنے کے بعد تمہیں بہت تلاش کیا۔ مگر تقدیر کو یہی منظور تھا کہ ہم برسوں کی جدائی کے بعد آج ملیں۔ میرا بیٹا کہاں ہے؟ وہ تو جوان ہو گیا ہوگا۔"

وہ فرحان کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی "ہاں۔ بالکل آپ کی طرح ہے۔ آج اس کی بھی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔ ایک ذرا سی غلط فہمی کے باعث وہ آپ کو ماں کا دشمن سمجھنے لگا ہے۔ میں مانتی ہوں آپ نے ہماری سلامتی کی خاطر ایسا کیا تھا مگر پندرہ برس تک یہ سلامتی مہنگی پڑتی رہی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازہ کھلا اور کامران نظر آیا۔ اس نے ماں کو ایک شخص سے گلے لگتے دیکھا تو جیسے بجلی کا جھٹکا سا پہنچا۔ پہلے تو وہ چند ساعتوں تک تکتے میں رہا پھر چیخ پڑا "نہیں، نہیں۔ میں اندھا ہوں۔ میں کچھ نہیں دیکھ رہا ہوں اور اگر دیکھ رہا ہوں تو یہ ایک بے شرم خواب ہے جو کسی بیٹے کو نہیں دیکھنا چاہیے۔"

"پاپا؟" اس نے غور سے فرحان کو دیکھا۔ آٹھ برس کے بچے کو اپنے باپ کے جو دھندلے سے نقوش یاد تھے، وہ واضح ہونے لگے۔ اس نے دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصے سے دانت پیستے ہوئے پہلے باپ کو پھر ماں کو دیکھا اور کہا "پاپا؟ آپ کس شخص کو میرا باپ کہہ رہی ہیں؟ جس نے آپ کو طلاق دی؟"

وہ بولی "بیٹے! انہوں نے طلاق نہیں دی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ـــ"

وہ گرج کر بولا "اصل بات یہ ہے کہ آپ چھپ چھپ کر ان سے ملتی رہیں آج بیٹے نے دیکھ لیا تو طلاق سے انکار کر رہی ہیں۔"

فرحان نے کہا "بیٹے! ہم برسوں کے بعد ـــ"

وہ تنبیہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر بولا "خبردار مجھے بیٹا نہ کہنا۔ آپ کی زبان پر لفظ بیٹا ایک گالی ہے اور یہی گالی آج ممی بھی مجھے دے رہی ہیں۔ ایسی بے شرمی دیکھنے کے بعد مجھے یہاں کھڑے ہی کھڑے زمین میں گڑ جانا چاہیے۔"

"تم بولتے ہی رہو گے یا ہماری بھی سنو گے۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولا "مجھے کچھ نہیں سننا۔ آپ دونوں کی زبان جتنا بھی سچ کہے، وہ اتنا سچ نہیں ہوگا جتنا کہ میری یہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔"

وہ اور پیچھے ہٹ کر بولا "مجھے تو آپ لوگوں کے سامنے کھڑے ہونے پر بھی شرم آ رہی ہے۔ آپ کو نہ آئے مجھے آ رہی ہے۔"

وہ پیچھے ہٹتے ہوئے دروازے پر پہنچ کر بولا "آج تک دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے کہ اولاد کی غلطیوں پر والدین پردہ ڈالتے ہیں۔ آج ایک بیٹا اپنے والدین کی بے شرمی کو چھپانے کے لیے دروازہ بند کر رہا ہے۔"

اس نے ایک زوردار آواز کے ساتھ دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ اندر والدین کی بے گناہی 'گناہ' کا الزام اٹھا رہی تھی۔ وہ دونوں سکتے کی حالت میں بند دروازے کو دیکھ رہے تھے۔

○☆○

وہ موبائل فون کے ذریعے کہہ رہا تھا "میں سچ کہتا ہوں باس! میں نے مکان کی پچھلی کھڑکی کے پاس کھڑے رہ کر ایک ایک بات سُنی ہے۔ پندرہ برس پہلے فرحان علی نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی تھی۔ آپ کو دھوکا دیا تھا لیکن اب وہ ایک نئے مسئلے سے دوچار ہیں۔ ان کا اپنا جوان بیٹا یہ ماننے کو تیار نہیں ہے کہ طلاق نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی اپنے والدین کو ایک دوسرے کے لیے نامحرم سمجھتا ہے اور انہیں بے شرم کہہ کر گھر سے نکل گیا ہے۔ میں اس جوان کا تعاقب کر رہا ہوں۔ آپ حکم دیں، مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"اس کے جوان بیٹے کے پیچھے لگے رہو۔ جب وہ والدین سے ناراض ہے تو گھر واپس نہیں جائے گا۔ کسی دوست کے ہاں رہے گا۔ یا کوئی نیا ٹھکانا بنائے گا۔ اس جوان کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔"

بیدار بخت نے موبائل فون بند کر دیا۔ موجودہ حلیے کے مطابق اس کے سر پر جناح کیپ تھی۔ چہرے پر داڑھی اور ایک ہاتھ میں تسبیح تھی۔ وہ مسجد کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ بالوں کی سفیدی بھی اسے بزرگ، دین دار اور نمازی ظاہر کر رہی تھی۔ وہ انگلیوں کے درمیان سے تسبیح کے ایک ایک دانے کو گزارتے ہوئے سوچنے لگا۔ میں ناحق اتنے عرصے سے فرحان علی کو ہلاک کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ اسے ہلاک نہ کر سکا۔ اس نے بیوی کو طلاق دینے والی بات کہہ کر مجھے دھوکا دیا۔ اپنے بیوی بچے کو زندہ سلامت رکھنے کے لیے مجھے بے وقوف بنا تا رہا۔ اب مزہ آئے گا۔

اس نے سامنے سے گزرنے والے ایک نمازی کے سلام کا جواب دیا پھر سوچنے لگا۔ دشمن کو جان سے مارنا حماقت ہے۔ اس کے گھر کو تباہ کرنا اور اس کی عزت کو خاک میں ملانا دانش مندی ہے۔ بیٹا اپنے ماں باپ کو ایک دوسرے کے لیے نامحرم سمجھتا ہے۔ ماں باپ کی ملاقات کو بے شرمی کہتا ہے۔ مجھے اس بے شرمی کو

غیر ضروری

مچھلی کے ایک شکاری جھیل میں بنسی ڈالے بیٹھے تھے۔ محکمہ جنگلات کا ایک کارندہ ان کے قریب پہنچا اور بولا "آپ کو شاید معلوم نہیں ہے یہاں مچھلی کے شکار کے لیے لائسنس کی ضرورت پڑتی ہے۔"

"میں غیر ضروری چیزوں کے چکر میں نہیں پڑتا۔ میرا کام تو کیچوؤں سے ہی چل رہا ہے۔" شکاری نے جواب دیا۔

مجبوری

طارق اور عارف جڑواں بھائی تھے اور ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ کلاس ٹیچر نے ایک روز ہوم ورک میں انہیں مضمون لکھنے کے لیے دیا۔ دوسرے روز ہوم ورک چیک کرتے وقت کلاس ٹیچر نے کہا "طارق! تمہارا اور عارف کا مضمون تو بالکل ایک جیسا ہے۔"

"مس! ہمارے گھر میں جڑواں لگتے ہیں بالکل ایک جیسے" طارق نے جواب دیا۔

اچھالنا چاہیے ... دولت اور ...
طرح طرح سے ان پر کیچڑ اچھالتا رہوں گا۔

وہ اس پہلو پر غور کرنے لگا کہ نئے سرے سے دشمن کے خلاف انتقامی کارروائی کا آغاز کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

اللہ کے بندے مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے ہیں لیکن شیطان اللہ والا بن کر بھی مسجد کی چار دیواری کو اپنی شیطانیت کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس نے عشا کی نماز بھی محض دکھاوے کے لیے پڑھی۔ نماز کے بعد وہ صحن میں آیا تو پھر موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے فون کو آپریٹ کرتے ہوئے کہا "ہیلو' میں بی بی بول رہا ہوں۔"

بی بی کوڈ ورڈ بھی تھا اور بیدار بخت کا مخفف بھی تھا۔ دوسری طرف سے اس کے خاص ماتحت نے کہا "باس! وہ تو بشیر احمد کے مکان میں گیا ہے؟"

"کون بشیر احمد؟"

"ہمارا ایک سپلائر ہے۔ یونیورسٹی میں اسٹوڈنٹ بن کر رہتا ہے اور لڑکے لڑکیوں کو ہیروئن کا عادی بناتا ہے۔ فرہان کا بیٹا اسے اسٹوڈنٹ اور دوست سمجھ کر اس کے پاس گیا ہے۔"

"اس بشیر احمد سے خفیہ طور پر رابطہ کرو۔ اس سے کہو کہ فرہان کے بیٹے کو اپنے اعتماد میں لے۔ اس سے ہمدردی کرے اور اسے اپنے مکان میں پناہ دے۔"

"آل رائٹ باس! میں ابھی رابطہ کرتا ہوں۔"

"اور ایک بات ہے۔ بشیر احمد جس مکان میں کرایہ دار ہے۔ اس مکان کے مالک کو ہر قیمت پر خرید لو تاکہ وہ کسی اہم معاملے میں ہماری مرضی کے مطابق پولیس کو بیان دے۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ ادھر اسما اور فرہان علی اپنے بیٹے کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ اسما نے کہا "مجھے آپ کے ملنے سے دنیا جہاں کی خوشیاں مل گئی ہیں لیکن اب بیٹے نے سکون غارت کر دیا ہے۔ وہ بڑا ضدی ہے۔ یہاں نہیں آئے گا۔ آپ کچھ کریں۔"

فرہان نے اسے تسلی دی "تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی اپنے تمام ماتحتوں اور پولیس والوں کے ذریعے معلوم کروں گا کہ وہ کہاں ہے پھر میں خود اس کے پاس جا کر اس کی غلط فہمی دور کر دوں گا اور ابھ تارا اور رومانہ کا بھی تعاون حاصل کروں گا۔"

فرہان علی تھوڑی دیر کے لیے اسما کے مکان سے نکل کر اپنے دفتر میں آیا پھر کامران کو تلاش کرنے کے لیے اپنے ذرائع کے مطابق تمام انتظامات کیے۔ اس کے بعد اسما کے پاس آ گیا۔ اپنے ساتھ ایک موبائل فون بھی لے آیا۔ تاکہ اسے کامران کے بارے میں رپورٹ ملتی رہے۔

تمام تلاش کرنے والے صبح تک یہی رپورٹ دیتے رہے کہ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا ہے۔ رات گزر گئی۔ صبح کی روشنی

... سے آپ کی طویل جدائی میں اس کی پرورش کی ہے۔ میں اس کی ذہنی حالت کو سمجھتی ہوں۔ پہلے وہ مجھے طلاق ملنے پر آپ سے نفرت کرنے لگا تھا۔ کل رات ہم دونوں سے نفرت کر کے گیا ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے' وہ اپنے ذہنی انتشار میں خود کو نقصان نہ پہنچا لے۔"

"حوصلہ رکھو اسما! تمہارے بیان کے مطابق وہ ذہین بھی ہے کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گا۔ میں دفتر جا رہا ہوں۔ شام تک ضرور اسے تمہارے پاس لے آؤں گا۔"

وہ اسما سے کامران کی موجودہ تصاویر لے کر گیا پھر دفتر میں آ کر اپنے ماتحت سے کہا "ان تصاویر کی مزید کاپیاں بنا کر تمام پولیس اسٹیشن کے انچارج تک پہنچا دو ... اخبارات میں بھی شائع کراؤ کہ اس کی ماں سخت بیمار پڑ گئی ہے۔ اس کے دودھ کا قرض ادا کرنے کے لیے آ جاؤ۔"

وہ اپنے طور پر صبح سے دفتر میں بیٹھا کوششیں کرتا رہا۔ دوپہر کو اسما نے دفتر میں آ کر پوچھا "کیا آپ کے یہاں بیٹھے رہنے سے میرا بیٹا مل جائے گا؟"

"ہمارے اور پولیس ڈپارٹمنٹ والے اسے تلاش کر رہے ہیں۔ اس کی تصاویر تمام تھانوں میں بھیج دی ہیں اور اخبارات میں ..."

وہ بات کاٹ کر بولی "آپ اس کرسی پر بیٹھ کر افسرانہ کارروائیاں کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ مجرموں کو اس طرح تلاش کر لیتے ہوں لیکن وہ ہمارا بیٹا ہے۔ اپنی چیز گم ہو تو خود اسے ڈھونڈنا پڑتا ہے۔"

"وہ میری جان ہے۔ میں نے تمہاری اور اس کی حفاظت کے لیے ایک طویل عرصے تک جدائی کے صدمات اٹھائے ہیں۔ میں یہاں سے اٹھ کر سڑک پر جاؤں گا تو وہ نہیں ملے گا۔ گم ہونے والے کو ڈھونڈ نکالنے کے جتنے طریقے ہیں ان پر عمل کیا جا رہا ہے۔ خدا نے چاہا تو ہمارا بیٹا یہاں ضرور آئے گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ آواز آئی "سر! آپ کا بیٹا مل گیا ہے۔ ہم اندر آ سکتے ہیں۔"

"کم آن" اسما اور فرہان دونوں خوش ہو کر اپنی کرسیوں سے اٹھ گئے۔ دروازہ کھلا۔ کامران اندر آیا۔ اس کے آس پاس اور پیچھے ایک پولیس انسپکٹر اور مسلح سپاہی تھے۔ اسما نے دیکھتے ہی پوچھا "بیٹے! تم کہاں چلے گئے تھے؟"

وہ ماں باپ سے منہ پھیر کر کھڑا ہوا تھا۔ انسپکٹر نے کہا "سر! آپ کے صاحب زادے ایک تھانے کی حوالات میں تھے۔"

"حوالات میں؟" فرہان علی نے حیرانی سے پوچھا "حوالات میں کیوں؟"

"سر! یہ جس مکان میں رہتے تھے' وہاں سے ایک کلاشنکوف اور دس کلو ہیروئن برآمد ہوئی ہے۔"

تارا نے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہونے پر مالک مکان کی آواز سنائی دی "ہیلو میں چمن بھائی بول رہا ہوں۔ تم کون ہو بھائی؟"

تارا نے بیدار بخت کے خاص دست راست کی آواز اور لہجے میں کہا "میں بخاری بول رہا ہوں۔ ہمارا باس بیدار بخت تم سے بہت خوش ہے۔ تم نے کامران کے خلاف تھانے میں جھوٹا بیان بڑی ہوشیاری سے لکھوایا ہے۔ کہیں غلطی نہیں کی۔ کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے بھی تمہیں خوش کیا ہے؟"

"بخاری بھائی! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ آپ نے پچیس ہزار روپے دیے۔ اتنی رقم میں تو اپنے باپ کے خلاف بھی بیان دے سکتا ہوں۔"

"کامران کا باپ فرمان علی چیف آف انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ اپنے بیٹے کو جھوٹے الزام سے بچانے کے لیے تحقیق کر رہا ہے۔ تمہارے پاس بھی سوالات کرنے کے لیے آسکتا ہے۔ تم ہوشیار رہنا اور ذرا بھی نہ گھبرانا۔"

اس نے گھبرا کر پوچھا "بخاری بھائی! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا اس کامران کا باپ انٹیلی جنس کا افسر ہے؟ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"بتانا بھول گیا تھا۔ کیا تم گھبرا رہے ہو؟"

"گھبراہٹ تو ہو رہی ہے۔ مگر سزا سے بچنے کے لیے اس افسر کے سامنے سنبھل کر جوابات دوں گا۔"

"ہم نے کامران کو کرایہ دار بنا کر پھانس لیا۔ وہ اصلی کرایہ دار ادھر آئے تو اسے آئندہ اپنی طرف آنے سے منع کر دینا۔"

"میں تو اسے منع کروں گا مگر ایک گڑبڑ ہے۔ میں اس شہر میں نہیں رہتا ہوں۔ اس لیے وہ اصلی کرایہ دار بشیر احمد اپنے چیک کے ذریعے کرایہ ادا کرتا تھا اور وہ چیک ہر ماہ میرے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرتا تھا اگر وہ انٹیلی جنس کا افسر بینک تک چھان بین کے لیے پہنچے گا تو میری گردن پھنس جائے گی۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم اس افسر کو بینک تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ تم اپنے دل و دماغ سے تمام پریشانیاں نکال دو۔ ہم تمہیں پھنسنے نہیں دیں گے۔"

تارا نے رابطہ ختم کر دیا پھر موبائل فون کے ذریعے فرمان سے پوچھا "کیا ریکارڈنگ صحیح ہو رہی ہے؟"

"تارا! تم واقعی باکمال ہو۔ ریکارڈنگ ہو چکی ہے اور اگر نہ بھی ہوتی تو معلوم ہو چکا ہے کہ چمن بھائی کا بینک اکاؤنٹ چیک کر کے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ کامران کبھی وہاں کرائے دار نہیں رہا۔ اصل مجرم کرائے دار کوئی اور ہے۔"

تارا نے کہا "اب دوسری کال کی ریکارڈنگ کراؤ۔ میں اس تھانے کا فون نمبر ڈائل کر رہا ہوں۔ جہاں کے پولیس انسپکٹر نے چمن بھائی کے مکان پر چھاپہ مار کر کامران کو گرفتار کیا تھا۔"

وہ نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ریکارڈنگ دوبارہ ہونے لگی۔ رابطہ

دوسری طرف سے آواز آئی "اوہ جناب بی بی صاحب! میں آپ کا خادم انسپکٹر فاضل بول رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے۔ آپ نے آج آٹھ بجے رات کو حاضری کا حکم دیا ہے۔ بندہ حاضر ہو جائے گا۔"

"ہمارے دست راست بخاری نے بتایا ہے کہ فرمان علی نے اپنے بیٹے کو الزام سے بچانے کے لیے اپنے طور پر تفتیش شروع کر دی ہے اور وہ تمہارے پاس تھانے میں آیا تھا۔"

"جناب! ایسے کتنے ہی انٹیلی جنس کے افسران آتے جاتے رہتے ہیں۔ میں نے بڑی خوب صورتی سے فرمان علی کو مطمئن کر کے یہاں سے چلتا کر دیا ہے۔"

"شاباش! آج رات آٹھ بجے تمہیں خوش کر دوں گا۔"

تارا نے فون بند کر دیا۔ زیادہ گفتگو لازمی نہیں تھی۔ یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ انسپکٹر فاضل رات کے آٹھ بجے بیدار بخت سے ملاقات کرنے جائے گا۔

تارا نے اپنی صلاحیتوں سے کام آسان کر دیا تھا۔ فرمان علی اپنے با اعتماد ماتحتوں اور سپاہیوں کے ذریعے انسپکٹر فاضل کا تعاقب کرتا ہوا ایک عالی شان کوٹھی میں پہنچا تو بیدار بخت کو فرار ہونے کا راستہ نہیں ملا۔ وہ چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ خاص ماتحت بخاری بھی گرفتار ہو گیا۔

دوسرے دن چمن بھائی کا بینک اکاؤنٹ چیک کیا گیا۔ پتا چلا کہ بشیر احمد نامی شخص پچھلے تین برس سے چمن بھائی کے مکان کا مستقل کرائے دار تھا اور اکثر اپنے چیک کے ذریعے کرایہ چمن بھائی کے اکاؤنٹ میں جمع کیا کرتا تھا۔

جب یہ راز کھلا تو چمن بھائی سچ اگلنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ اس رات سے پہلے اس نے کامران کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بخاری نے اسے بیدار بخت کے حکم سے پچیس ہزار روپے دیے تھے۔ انسپکٹر فاضل بھی ان مجرموں کے ساتھ گرفتار ہو گیا تھا۔

جب پولیس کے وہ افسران اور کئی سپاہی انہیں حراست میں لے کر جانے لگے تو تارا نے بیدار بخت سے کہا "تمہارے ممنون احسان رہنے والے سیاست دانوں کی حکومت نہیں ہے۔ اس لیے جیل میں رہو۔ اگر کبھی تمہارے چاہنے والوں کی حکومت بنے گی تو باہر آجانا اور ایسا نہ ہوا۔ کوئی تمہیں بچانے والا با اختیار نہ ہوا تو پھانسی کا پھندا تمہارا مقدر بن جائے گا۔"

کامران کے خلاف ایف آئی آر درج ہو چکی تھی۔ اس لیے عدالت میں اسے پیش کیا گیا۔ تاکہ اس کی بے گناہی کے ثبوت اور گواہ پیش کر کے اسے رہائی دلائی جا سکے۔ کامران کا کردار آئینے کی طرح صاف تھا۔ اسے یقیناً عدالت سے رہائی کا حکم مل جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کامران نے عدالت میں اپنے باپ فرمان علی کو غصے اور نفرت سے دیکھا پھر جج سے کہا "جناب عالی! یہ ثابت ہو چکا ہے

کہ میں بے قصور ہوں لیکن جس رات مجھے اسلحہ اور منشیات کے ساتھ گرفتار کیا گیا 'اس مکان میں' میں کیوں تھا؟ مجھے اپنے والدین کے ساتھ ان کے مکان میں ہونا چاہیے تھا۔"

کامران سے پوچھا گیا "تم والدین کا مکان چھوڑ کر ایسی جگہ کیوں تھے 'جہاں منشیات اور اسلحہ پایا گیا تھا؟"

اس نے جواب دیا "اولاد ایسے وقت گھر چھوڑتی ہے 'جب والدین کے قابل نہیں رہتی یا والدین اولاد کے قابل نہیں رہتے۔ میں یہ بتانا نہیں چاہتا کہ کون کس کے قابل نہیں ہے۔ فی الحال تو یہی کہوں گا کہ میں اپنی مرضی سے گھر چھوڑ کر بیدار بخت جیسے مجرم کے گروہ میں شامل ہونے گیا تھا۔ وہ میرے مجرم بننے کی پہلی رات تھی اور میں گرفتار کر لیا گیا۔ اگرچہ میرے جرم کا کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن میں اپنی زبان سے مجرم ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ اگر میرے ساتھ وہ مال پکڑا نہ جاتا تو میں دوسرے دن منشیات کا وہ زہر یونیورسٹی کے طلبا و طالبات میں پھیلانے والا تھا۔"

فرمان علی نے کہا "یہ تم عدالت میں کیسی غلط باتیں کر رہے ہو؟"

کامران نے کہا "سچ بات کہوں گا تو میرے بزرگ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

فرمان کے ہونٹ سختی سے بند ہو گئے۔ عدالت میں بیٹھی ہوئی اسما نے بھی منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ کامران نے جج صاحب سے کہا "جناب عالی! مجھے آپ اس مجرمانہ ارادوں کی سزا دے سکتے ہیں کہ میں اس رات بیدار بخت کے گروہ میں شامل ہوا تھا اور دوسرے دن سے جرم کی ابتدا کرنے والا تھا۔"

جج صاحب نے کہا "تمہارے جیسے گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والے جوانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے تھوڑی بہت سزا ضرور دینا چاہیے لیکن میں حیران ہوں کہ تم خود سزا پانے کے لیے اپنے مجرم ہونے کا اعتراف کر رہے ہو۔"

"ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے اس سزا کو بھگتنے تک میرے بزرگ اپنی گناہ گار زندگی سے توبہ کر لیں۔ میں نے ایک بار گھر کا دروازہ بند کر کے ان کی غلطیوں پر پردہ ڈالا۔ آج دوسری بار عدالت سے سزا پا کر انہیں مہلت دے رہا ہوں کہ میرے جیل سے باہر آنے تک گناہوں سے باز آجائیں۔ ورنہ میں رشتوں کو بالائے طاق رکھ کر ان کی سیاہ کاری کو منظر عام پر لے آؤں گا۔"

جج صاحب نے پوچھا "تم اپنے کن بزرگوں کے متعلق ایسا کہہ رہے ہو؟"

"معافی چاہتا ہوں جناب عالی! ابھی تک یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ میرے سزا پانے کے بعد یہ معاملہ درست نہ ہوا تو میں گناہ گاروں کو ہتھکڑیاں پہنا کر اسی عدالت میں لاؤں گا۔"

اس نے عدالت میں اپنے والدین کے خلاف بہت کچھ کہنے

●●●●●●●●●●●●●●●●●●

ٹین ڈبے اور ردی اخبار وغیرہ خریدنے والے نے ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور صاحب خانہ کے باہر آنے پر بولا "میں آپ کا ہارمونیم خریدنے آیا ہوں۔ میں ردی چیزوں کے بھی اچھے پیسے دے رہا ہوں۔"

"لیکن میں نے تو تمہیں نہیں بلایا۔ میرا تو ہارمونیم بیچنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" صاحب خانہ کا چہرہ سرخ ہو گیا "اور تم سے کس کم بخت نے کہا کہ میرا ہارمونیم ردی ہے۔ میں تو اسے صبح شام بجاتا ہوں۔"

"مجھے کیا معلوم صاحب! مجھے تو آپ کے پڑوسیوں نے چندہ جمع کر کے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں ہر قیمت پر آپ سے ہارمونیم خرید لوں۔" ٹھیلے والا سر کھجا کر بولا۔

●●●●●●●●●●●●●●●●●●

کے باوجود ان پر کیچڑ نہیں اچھالی۔ چونکہ وہ مجرم نہیں تھا مگر اپنے بیان کے مطابق جرم کی ابتدا کرنے والا تھا۔ لہٰذا اسے تنبیہ کے طور پر جیل کے ایسے حصے میں صرف ایک ہفتے کی قید کی سزا دی گئی۔ جہاں دوسرے قیدیوں کا اس پر سایہ نہ پڑے اور حکم دیا گیا کہ ایک ماہر نفسیات کی خدمات حاصل کر کے اس کے ذہن کو صحت مند بنایا جائے تاکہ وہ آئندہ مجرمانہ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہ کرے۔

اسے جیل بھیج دیا گیا۔ اسما نے کہا "یہ کیا ہو گیا؟ وہ خواہ مخواہ سزا بھگتنے گیا ہے اور ہم بدنامی کے خوف سے اسے روک بھی نہ سکے۔ آپ بہت بڑے افسر ہیں۔ جیل میں جا کر تارا بھائی کے ذریعے اس کی غلط فہمی دور کر سکتے ہیں۔"

"میں ایسا کر سکتا ہوں مگر نہیں کروں گا کیونکہ وہ صرف ایک ہفتے کے لیے ہم سے دور ہوا ہے۔ ایک ہفتے بعد ہماری شادی کی پچیسویں سالگرہ ہے۔ وہ ہمیں گناہ گار سمجھتا ہے مگر ہم اپنی ازدواجی زندگی کی سلور جوبلی منائیں گے اور اسے اپنا چیلنج پورا کرنے دیں گے کہ وہ ماں باپ کو ہتھکڑیاں پہنا کر عدالت میں لے جائے۔"

O☆O

سلور جوبلی کی خوشی میں چراغاں کیے جاتے ہیں لیکن چیف آف انٹیلی جنس ڈپارٹمنٹ فرمان علی اور بیگم اسما فرمان کی شادی کی سلور جوبلی میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

اس تاریکی میں شہر کے امیر و کبیر اور معزز شخصیات تھیں۔ پورا ہال معزز مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ سب اس تجسس میں تھے کہ وہ شادی کی سلور جوبلی ہے یا طلاق کی پچیسویں سالگرہ؟

ان کے جوان بیٹے کامران نے بھری محفل میں اپنے والدین سے یہی سوال کیا تھا اور کہا تھا کہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں' جنہیں سب کے سامنے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لہٰذا سلور جوبلی کی ان جگمگاتی ہوئی روشنیوں کو بجھا دیا جائے تاکہ گناہ گاروں کو اعتراف کرتے ہوئے شرم نہ آئے۔

اور یوں تمام روشنیاں بجھا دی گئی تھیں۔ تاریکی میں جو مہمان جہاں تھا' وہیں کھڑا یا بیٹھا رہ گیا تھا اور منتظر تھا کہ اب سلور جوبلی منانے والے کیا کہیں گے؟

تب تاریکی میں فرمان علی کی آواز ابھری "خواتین و حضرات! میں فرمان علی آپ سے مخاطب ہوں۔ چونکہ میں اس مکان کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ اس لیے تاریکی میں چلتا ہوا اس کامران علی کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا ہوں' جو مجھے باپ نہیں کہتا ہے اور نہ مجھے بیٹا کہنے کی اجازت دیتا ہے۔"

پھر اس نے بیٹے سے کہا "کامران علی! کیا تم اپنے روبرو اس شخص کی آواز سن رہے ہو' جسے کبھی پاپا کہا کرتے تھے؟"

"ہاں۔ میں اپنے روبرو آپ کی آواز سن رہا ہوں۔"

اچانک کامران نے اپنے پیچھے سے آواز سنی "کامران! جھوٹ نہ بولو۔ تم میری آواز سامنے سے نہیں اپنے پیچھے سے سن رہے ہو۔"

کامران نے حیرانی سے پلٹ کر پیچھے دیکھنا چاہا مگر تاریکی میں نظر نہیں آرہا تھا۔ اسے پیچھے سے آواز آئی "تم خاموش کیوں ہو؟ تمہیں میرے روبرو رہنا چاہیے۔ تم دوسری طرف کیوں پلٹ گئے ہو۔"

کامران نے پلٹنے سے پہلے اپنے سامنے سے آواز سنی "بیٹا اس لیے میرے روبرو ہوگیا ہے کہ میں اس کا باپ ہوں۔"

پیچھے سے کہا گیا "نہیں میں اس کا باپ ہوں۔ بیٹے! میری طرف گھوم جاؤ۔"

کامران نے گھوم کر حیرانی سے پوچھا "یہ... یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں اپنے پاپا کی آواز سامنے سے بھی سن رہا ہوں اور پیچھے سے بھی۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایک ہی آواز بیک وقت آگے اور پیچھے سے سنائی نہیں دے سکتی' روشنی کرو۔"

آگے سے باپ کی آواز آئی "ابھی تاریکی رہے گی۔"

پیچھے سے باپ کی آواز آئی "اگر تم فرمان علی کا خون ہو تو تاریکی میں اپنے باپ کی آواز کو پہچانو۔"

آگے سے باپ نے کہا "ابھی تم نے کہا تھا کہ باپ کا لہو کم ظرف نہ ہوا تو میں تمہاری لائی ہوئی ہتھکڑی اٹھا کر خود پہن لوں گا۔"

پیچھے سے باپ نے کہا "لیکن یہ ہتھکڑی میری کلائی میں اس وقت آئے گی جب تم اس تاریکی میں اور بھری محفل میں سب کی موجودگی میں بتاؤ گے کہ تمہارا باپ کہاں ہے؟ آگے ہے یا پیچھے؟"

آگے سے پوچھا گیا "ہاں برخوردار! بولو' باپ آگے ہے یا پیچھے؟"

پیچھے سے آواز آئی "میں تمہاری آسانی کے لیے پھر طلاق کے الفاظ دہراتا ہوں تاکہ تم باپ کو پہچان سکو۔ میں شادی کی سلور جوبلی میں اسما بیگم کو طلاق کا تحفہ دیتا ہوں۔ سنتی ہو اسما! میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔"

کامران نے فوراً ہی پیچھے گھوم کر اندھیرے میں اسے پکڑ لیا۔ اس کے گریبان کو پکڑتے اور جھنجوڑتے ہوئے کہا "آپ ہیں۔ آپ بھری محفل میں اعتراف کررہے ہیں کہ..."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی پورے ہال میں روشنی ہوگئی۔ اس نے تارا کا گریبان پکڑا ہوا تھا اور تارا اس کے باپ کی آواز میں کہہ رہا تھا "ابھی تو میں نے دو ہی طلاقیں دی ہیں۔ تیسری دینے دو۔ ہاں تو اسما میں تمہیں تیسری طلاق دے رہا ہوں۔ ہمارا لائق بیٹا! باپ کی نقلی آواز کو پہچان رہا ہے اور اصلی لہو کی پہچان بھول گیا ہے۔"

کامران نے تیزی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ وہاں فرمان علی کھڑا ہوا تھا۔ تارا کہہ رہا تھا "خواتین و حضرات! کامران نے آٹھ برس کی کچی عمر میں باپ کو ماں کے خلاف طلاق کے الفاظ ادا کرتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اس نے میری آواز اس طرح سنی تھی' جس طرح آپ تمام حاضرین تاریکی میں سن رہے تھے اور دھوکا کھا رہے تھے کہ میرا دوست فرمان علی اپنی شادی کی سلور جوبلی میں بیوی کو طلاق دے رہا ہے۔"

ایک بزرگ نے کہا "واقعی ایسا ہوا ہے تو میاں بیوی میں طلاق نہیں ہوئی لیکن آپ نے فرمان علی کی آواز اور لہجے میں خواہ مخواہ طلاق کے الفاظ کیوں ادا کیے تھے؟"

تارا کے جواب دینے سے پہلے فرمان علی نے کیک کے پاس سے ہتھکڑی اٹھا کر کہا "پندرہ برس پہلے ایسا کیوں ہوا۔ میں ابھی وضاحت کروں گا لیکن اس بیٹے نے اپنے ماں باپ پر کیچڑ اچھالنے کا جرم کیا ہے۔ اس لیے ہتھکڑی اب اسے پہنائی جائے گی۔"

فرمان علی نے اس کی ایک کلائی میں ہتھکڑی پہنائی۔ رومانہ نے تیزی سے قریب آکر کہا "انکل! یہ آپ کیا کررہے ہیں۔ اپنے ہی بیٹے کو..."

بات پوری ہونے سے پہلے فرمان نے ہتھکڑی کا دوسرا حصہ رومانہ کو پہنا دیا پھر دونوں کو ایک بندھن میں باندھنے کے بعد ان کے ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے کہا "میں اپنی اور اسما کی شادی کی سلور جوبلی میں اپنے بیٹے کو اس کی محبت کا تحفہ دے رہا ہوں۔"

تمام ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔ فلش لائٹس جل رہی تھیں اور سلور جوبلی کے ان خوب صورت لمحات کو کیمروں کی آنکھیں .... محفوظ کررہی تھیں۔